تالیف: جمشید عالم عبد السلام سلفی

تقدیم و مراجعہ: ڈاکٹر سید سعید احسن عابدی

اسلام کی نظر میں

بُرے لوگ

تالیف

جمشید عالم عبدالسلام سلفی

ناشر

مکتبۃ السلام

انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا

نام کتاب.....................................اسلام کی نظر میں بُرے لوگ

تالیف.....................................جمشید عالم عبد السلام سلفی

تقدیم و مراجعہ..............................ڈاکٹر سید سعید احسن عابدی

ناشر.............مکتبۃ السلام انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر

صفحات.....................................112

سن اشاعت.....................................فروری ۲۰۲۴ء

تعداد اشاعت.....................................گیارہ سو

کمپوزنگ.....................................ابو ہمام سلفی

باہتمام.....................................حافظ محبوب عالم سلفی

قیمت.....................................Rs:110

ملنے کے پتے:

❁ **مکتبة السلام** انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا

Email Id : maktabsalam2@gmail.com Mob : 9628953010/6393225101

❁ **المعهد الإسلامي أنوارالعلوم** گنجہڑا، مہتھا بازار، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا

❁ **پبلک کتاب گھر** پیرامرعنواں، اٹوا بازار، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا۔ رابطہ نمبر: 7800197429

❁ **معهد الفرقان لتحفيظ القرآن الكريم** محمود واگرانٹ، انتری بازار، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا

فہرست عناوین

حرفِ اوّل

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ خير خلقه محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلىٰ يوم الدين، أمابعد:

ایک صالح اور پُرامن وخوش حال معاشرے کے لیے ضروری ہے کی افرادِ معاشرہ بھی نیک وصالح ہوں، ان کے اندر نیکی کی خوپائی جائے، وہ حقیقی معنوں میں دوسروں کے لیے ہمدردوبہی خواہ ہوں اور لوگوں کی عزت وآبرو اُن سے محفوظ ہو۔ ان خوبیوں کے حامل وہی افراد ہوں گے، جن کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ اور اس کا ڈر بسا ہوگا، ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں اللہ کے معزز و مقرب بندے ہوتے ہیں اور نتیجے میں اُنھیں ہر طرح کا سکون ووقار حاصل ہوتا ہے، خواہ وہ مال ودولت کے اعتبار سے تہی دست، عہدہ وخاندانی وجاہت کے اعتبار سے کم تر اور عیش وعشرت کی زندگی گزارنے کے اعتبار سے مفلوک الحال ہی کیوں نہ ہوں، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فضیلت و برتری کا معیار جنسیت، قومیت، مال و دولت، حسن و خوب صورتی، حسب و نسب اور خاندانی وجاہت کو نہیں قرار دیا ہے، کیوں کہ یہ ساری چیزیں انسان کے اختیار میں نہیں ہیں، اللہ نے معزز ہونے کے لیے تقویٰ کو معیار ٹھہرایا ہے۔ فرمایا:

﴿...إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ...﴾ ”بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔“ [الحجرات:۱۳]

تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور اس کے منہیات سے اجتناب کرتے ہوئے ایسے تمام امور سے دور رہنا جو اس کی ناراضی کا سبب بنتے ہیں اور ایسے تمام امور کو انجام دینا جن کے چھوڑنے سے انسان اللہ کے عذاب کا مستحق بنتا ہے۔ متقی اور پرہیزگار وہی ہیں، جن کے عقائد اور ظاہری و باطنی اعمال احکامِ الٰہی اور نبوی فرمان کے تابع ہوتے ہیں۔

ہمارے سماج و معاشرے میں جہاں گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کی بہتات ہے، وہیں بہت سے اچھے بھلے لوگوں کے یہاں بھی یہ کمی پائی جاتی ہے کہ نیکی کے کام تو وہ کرتے ہیں، مگر محرمات و منہیات کے کاموں میں بھی خود کو ملوث کیے رہتے ہیں، بعض اعمالِ صالحہ کو بڑے شوق و جذبے سے انجام دیتے ہیں، مگر اللہ کو ناراض

کرنے والے اور نیکیوں کو ضائع کرنے والے برے اعمال سے بھی باز نہیں آتے ہیں، جب کہ نیک اعمال کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ بُرے کاموں سے بچنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ آدمی بُرے اعمال واطوار سے بچے بغیر اللہ کا متقی بندہ اور معزز انسان نہیں بن سکتا ہے، لہٰذا اس جانب خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک طرف تو ہم خوب خوب نیک اعمال کرتے جائیں اور دوسری طرف اپنے دامن کو ایسے گناہوں سے بھی آلودہ کرتے جائیں کہ جن سے ہمارے نیک اعمال ضائع ہو جائیں یا ہماری نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے اور ہم خسارے سے دوچار ہوں۔

افرادِ معاشرہ کی زندگی میں پائی جانے والی اسی سماجی ناہمواری کو دیکھتے ہوئے ہمارے بڑے بھائی مولانا جمشید عالم عبد السلام سلفی/حفظہ اللہ نے زیرِ نظر کتاب ترتیب دیا ہے، جس میں کتاب و سنت میں بیان ہوئے بدترین لوگوں کا تذکرہ ان کے اوصاف و کردار سمیت واضح شرعی نصوص کے ذریعہ عام فہم اور آسان اسلوب میں کیا گیا ہے، تاکہ افرادِ معاشرہ اپنے اندر پائی جانے والی اس طرح کی خامیوں کو دور کرکے اللہ کے مقرب بندے بن سکیں اور سماج و معاشرے میں ایک باکردار انسان کی حیثیت حاصل کر سکیں۔ اللہ رب العالمین کتاب و سنت کی اس خدمت کو شرفِ قبول بخشے، اسے لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ اور باعثِ خیر و برکت بنائے، اس کے نفع کو عام کرے اور مؤلف و ناشر سمیت کتاب کی اشاعت میں حصہ لینے والے جملہ معاونین کی مغفرت کا ذریعہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین! **وصلی اللہ علیٰ نبیہ الکریم**

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خادم کتاب وسنت

محبوب عالم عبدالسلام سلفیؔ

مدیر: **مکتبۃ السلام** انتری بازار، سدھارتھ نگر، انڈیا

Email : mahboobsalafi@gmail.com

Mob : +91 6393225101

20/01/2024

تقدیم

(ڈاکٹر سید سعید احسن عابدیؔ)

جس طرزِ تحریر میں تکلف، تصنع اور بناوٹی انشا پردازی کے بجائے برجستگی اور آمد ہو، زبان اور سمع پر بھاری نہ ہو اور ثقیل الفاظ کی جگہ ہلکے، مانوس اور روز مرہ کے الفاظ اور تعبیروں کا استعمال ہو۔ مناسب، موزوں اور برمحل الفاظ کی سحر انگیز ترکیب سے عبارت میں روانی، سلاست اور اثر انگیزی ہو اور اس سے مطلب پوری طرح ادا ہو رہا ہو، اس کو ''تَرَسُّل'' کہتے ہیں۔ ''ترسل'' ہے تو عربی اصطلاح، مگر مذکورہ اوصاف کی حامل تمام زندہ زبانوں کے ادبی اندازِ بیان اور اسلوب پر اس کا اطلاق درست ہے۔

اردو زبان اپنی کم عمری کے باوجود دنیا کی چند زندہ اور خوب صورت زبانوں میں اپنی جگہ بنا چکی ہے۔ یہ اگرچہ برصغیر کے باشندوں کی مشترکہ اور مسلمانوں کی خاص زبان ہے، لیکن دنیا کی بڑی اور قدیم یونی ورسٹیوں اور دانش گاہوں میں بھی پڑھائی جاتی ہے اور مصر میں، جس کو علم میں ایک خاص مقام حاصل ہے اردو زبان کے ماہرین کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور متعدّد افراد نے اردو میں مقالے لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کر لی ہیں اور وزارتِ تعلیم اور وزارتِ خارجہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

برصغیر کے مسلمان علماء کی ذمہ داریوں کے سرفہرست تبلیغِ دین کی ذمہ داری ہے۔ تبلیغِ دین ایک جامع لفظ ہے، جس میں کتاب اللہ کا ترجمہ و تفسیر، حدیث کی شرح و بیان، اسلامی احکام کی تشریح و تبیین، محدثین، مفسرین، سیرت نگاروں اور اسلام کے داعیوں کی سیرتوں اور کارناموں پر اردو زبان میں بے شمار کتابیں ایسی ہیں جن کو سند حاصل ہے۔

لیکن ادھر چند برسوں میں برصغیر ہندوستان اور پاکستان کے اعلیٰ اور مشہور مبلغین اور داعیان، جو ملکی اور بیرون دنیا کی اعلیٰ دانش گاہوں کے سند یافتہ ہیں، جس اردو میں کتابیں لکھتے ہیں اور کتاب و سنت کی نصوص کی ترجمانی کرتے ہیں، وہ اردو کے قالب میں ''عربی'' ہوتی ہے اور عوام تو عوام خواص کی سمجھ سے بھی بالاتر ہوتی ہے۔ بایں ہمہ ایسے باصلاحیت مؤلفین کی کتابیں بھی منظر عام پر آتی رہتی ہیں جو اہم تربیتی موضوعات پر ہوتی ہیں اور ان کی زبان بھی نہایت صاف ستھری اردو ہوتی ہے۔

اللہ کے رسول صلوات اللہ و سلامہ علیہ کی پیشین گوئی کے مطابق اس طرح کے باصلاحیت اور اپنے قول

وعمل میں اسلاف کے پیروکار اس زمین پر ہمیشہ موجود رہیں گے اور کتاب و سنت کی تعلیمات کو خوب صورت، دل نشین اور عام فہم اسلوب میں پیش کرتے رہیں گے۔اسی طرح کے خوش نصیب، خوش گفتار اور خوش اخلاق وکردار لوگوں میں سے ایک عزیزی جمشید عالم سلفی سلمہ اللہ بھی ہیں۔

آں عزیز نے ہندوستان ہی کے عربی مدارس میں تعلیم حاصل کی ہے اور سندِ فراغت بنارس میں قائم سلفی تحریک کی ترجمان درس گاہ ''الجامعۃ السلفیہ (مرکزی دار العلوم)'' سے حاصل کی اور پھر درس و تدریس اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ ہوگئے۔

سردست جمشید عالم سلفی اپنے مسقط رأس -جو میرا بھی وطن ہے اگرچہ اس وقت اس میں میری سکونت نہیں ہے۔- انتری بازار سے قریب ہی ایک بستی گنجہڑا میں واقع ''المعہد الاسلامی انوار العلوم'' میں ایک سینئر مدرس ہیں۔ عزیزی موصوف کا تعلق نہ صرف یہ کہ میرے آبائی گاؤں انتری بازار، تحصیل شہرت گڑھ، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی سے ہے، بلکہ ان کا خاندان گاؤں کے ان خاندانوں میں سے ایک ہے، جن سے میرا بڑا گہرا رشتہ ہے۔ ان کے حقیقی دادا محترم ''کرم اللہ'' اور ان کے بڑے بھائی ''عظیم اللہ'' رحمۃ اللہ علیہما میرے والد مولانا عابد علی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے عقیدت مند تھے، عزیزی جمشید سلمہ کے دادا حاجی ''کرم اللہ'' رحمۃ اللہ علیہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ دورانِ حج حرمِ مکی کے ایک ہنگامے میں ان کی وفات ہوگئی اور ان کی تدفین مکہ کے تاریخی مقبرہ ''معلیٰ'' میں ہوئی۔ ان کے بڑے ابا (تایا) محترم محمد قاسم حفظہ اللہ بچپن اور نوجوانی میں میرے ''لنگوٹیا یار'' رہے ہیں، البتہ ان کے والد محترم عبدالسلام صاحب میرے سفرِ قاہرہ کے وقت اللہ کے علم میں تھے۔

عزیزی جمشید عالم سلفی سلمہ اللہ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ یا جامعہ ازہر مصر جانے کا موقع نہیں ملا، پھر بھی وہ اپنی معلومات، اپنے اسلوبِ نگارش اور کتاب وسنت کی نصوص کی فہم وادراک میں اور ان سے ماخوذ و مستنبط احکام کو سمجھ لینے میں بہت سے حاملینِ القاب پر برتری رکھتے ہیں۔

جمشید عالم سلفی سلمہ اللہ جن موضوعات پر لکھتے ہیں ان میں بیشتر قرآن و حدیث پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس طرح ان کو قرآنی آیات اور احادیث کے ترجمے کرنے پڑتے ہیں، جو بہت مشکل کام ہے، کیوں کہ عربی زبان کے قواعد اور اس میں جملوں کی ساخت اردو کے قواعد اور اس میں الفاظ کی ترکیب سے بالکل مختلف ہوتی ہے، مگر اللہ کے فضل و توفیق سے ان کا ترجمہ اپنی صحت کے ساتھ نہایت واضح اور سلیس ہوتا ہے۔

ان کی تحریروں کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ صحیحین کے علاوہ جن دوسری کتابوں سے احادیث نقل کرتے ہیں تو مختصر اور دل نشین انداز میں ان کے درجات بھی بیان کر دیتے ہیں، اس کا فائدہ قاری کو یہ ہوتا ہے کہ وہ پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ ان کی باتوں کو تسلیم کر لیتا ہے اور اگر کوئی حدیث مشکل الفہم ہوتی ہے تو وہ محدثین کے اقوال سے اس کو دور کر دیتے ہیں۔

آں عزیز کی فرمائش پر میں ان کی جس کتاب کا یہ پیش لفظ یا مقدمہ لکھ رہا ہوں اس کا نام ہے: **"اسلام کی نظر میں بُرے لوگ"** ۱۱۰ صفحات کی یہ کتاب تمام تر قرآن و حدیث سے ماخوذ و مستنبط مسائل و احکام پر مشتمل ہے اور اس میں زیرِ بحث موضوعات کی تعداد ۷۱ ہے۔

در حقیقت یہ ایک نہایت اہم اور بنیادی کتاب ہے، جس کے مندرجات کا بنظر غائر مطالعہ کر کے اردو پڑھنے اور سمجھنے والا عام مسلمان بھی یہ جان سکتا ہے کہ کون مسلمان اسلام سے دور ہے اور مسلمانوں میں شمار ہونے والی کون سی جماعتیں اسلام سے منحرف ہیں۔

عزیزی جمشید عالم سلفی سلمہ اللہ نے کتاب میں زیرِ استدلال قرآنی آیات اور احادیث کا ترجمہ اور تشریح آسان اور شستہ اردو میں کیا ہے، جس سے کتاب کا حسن دوبالا ہو گیا ہے اور اس کی قوتِ تاثیر بہت بڑھ گئی ہے۔

آں عزیز نے جس موضوع پر بھی خامہ فرسائی کی ہے اس کا حق ادا کر دیا ہے، ان کے اسلوبِ بیان اور طرزِ تحریر سے ایسا لگتا ہے کہ ان کا مطالعہ وسیع ہے اور جو پڑھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں۔

ان کی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی اور انھوں نے کن اساتذہ سے کسبِ فیض کیا اس کی تفصیلات جاننے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو بنانے کے لیے بہت ریاضت کی ہے۔ اس تناظر میں ان کو بجا طور پر خود ساز (SELF MADE) کہا جا سکتا ہے۔

جمشید سلمہ حسنِ اخلاق سے موصوف ہیں اور وسیع اور گہرا علم رکھنے کے باوجود ان کی ذات "تعلی" سے پاک ہے۔زاده الله علما و رسوخا في الفهم ونفع به المسلمين. آمين!

سعید عابدؔی

الفاروق

۲۸ دسمبر ۲۰۲۳ء

مقدمۂ مؤلف

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِيْنُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

أَمَّا بَعْدُ : فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ.

یہ دنیا امتحان گاہ ہے اور ہمیں اپنی زندگی کے پل پل کا حساب دینا ہے، یہاں نیک اور بد ہر طرح کے لوگ بستے ہیں اور رب چاہی یا اپنی من مانی زندگی گزارتے ہیں اور پھر اپنی عمر کا حصہ گزار کر ایک دن موت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ رب چاہی زندگی گزارنے والوں میں بھی بہت سے افراد اپنے دعوے میں کھرے نہیں اترتے بلکہ وہ بھی زندگی کے بہت سے معاملات میں اور بہت سے موڑ پر من مانی کر جاتے ہیں اور کچھ تو عادی قسم کے مجرم ہوتے ہیں، جرم کرتے کرتے ان کی حس وضمیر مردہ ہو جاتی ہے اور ان کے اندر سے نیکی و بدی کی تمیز ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان فرشتہ نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ تمام گناہوں سے کنارہ کش رہے اور صرف اطاعت و فرماں برداری میں لگا رہے، بلکہ اس کی سرشت میں بھول و چوک اور خطا و نسیان داخل ہے، لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ گناہوں اور نافرمانیوں کو اپنی زندگی کا اٹوٹ حصہ بنا لینا عقل و شرع اور فطرت کے خلاف ہے۔

اسلام کی نظر میں ایک اچھا اور کامل انسان بننے کے لیے ضروری ہے کہ شریعتِ حقہ کی پیروی کی جائے، کتاب و سنت کی تعلیمات کو عملی زندگی میں داخل کیا جائے نیز احادیث میں اخلاق و کردار کو بہتر بنانے کی جابجا جو تعلیم دی گئی ہے اور مختلف پیرائے میں اخلاق کو بہتر و بلند بنانے کے لیے جن امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ان کو اپنانا بھی ضروری ہے۔ اخلاق و کردار سے متعلق بہت سی ایسی صفات و عادات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جن کے حاملین کو نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سب سے اچھا انسان قرار دیا ہے اور یہ حقیقتِ واقعہ ہے کہ انسان ان کو اپنا کر اللہ کا محبوب و برگزیدہ بندہ بن سکتا ہے اور عام لوگوں کی نگاہوں میں بھی ایک اچھا انسان ہو سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ شریعت میں بہت سے بُرے اعمال اور اخلاق و کردار کو بگاڑنے والے ایسے بہت سے امور

وعادات سے روکا گیا ہے اور ان کے حاملین کو سب سے بُرا اور بدترانسان قرار دیا گیا ہے یعنی کہ کتاب و سنت میں اچھے لوگوں اور بُرے لوگوں کی صفات تفصیل سے بیان کی گئی ہے اور سب سے اچھے اور سب سے بُرے لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ حاملینِ کتاب و سنت اچھا و مثالی انسان بننے کی کوشش کریں اور بُرا و بدترانسان بننے سے بچیں نیز اچھوں اور بُروں کی تمیز و معرفت حاصل کرکے خود میں بہتری و سدھار لانے کے لیے اچھوں کی صحبت و ہم نشینی اختیار کر سکیں اور بُروں کی سنگت وصحبت سے بچ سکیں۔

صحابیِ رسول حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ عام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شر و فتنہ کے متعلق سوال کیا کرتے تھے تاکہ وہ خود شر وفتنہ میں نہ پڑ سکیں، جیساکہ حذیفہ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ لوگ یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر و بھلائی کے متعلق سوال کیا کرتے تھے اور میں شر و برائی کے بارے میں پوچھتا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں میں ان میں نہ پھنس جاؤں۔ میں نے ایک مرتبہ پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم جاہلیت اور شر کے زمانے میں تھے، پھر اللہ نے ہمیں یہ خیر (یعنی اسلام) عطا فرمائی تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، پھر میں نے پوچھا: اور اس شر کے بعد پھر کوئی خیر آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور اس میں کچھ دھواں ہوگا۔ میں نے عرض کیا: وہ دھواں کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ، تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ))** ”ایسے لوگ ہوں گے، جو میرے طریقے کے علاوہ دوسرے طریقے اختیار کریں گے، جن میں کوئی بات اچھی ہوگی اور کوئی بُری ہوگی۔“ میں نے پوچھا: کیا اس خیر کے بعد پھر کوئی شر آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((نَعَمْ، دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا))** ”ہاں، جہنم کے دروازوں کی طرف بلانے والے داعیان ہوں گے، جو ان کی بات قبول کرے گا اسے وہ جہنم میں جھونک دیں گے۔“ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے ان کے اوصاف بیان کر دیجیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا))** ”وہ لوگ ہماری ہی قوم سے ہوں گے اور ہماری ہی زبان میں بات کریں گے۔“ میں نے عرض کیا: اگر میں ان کا زمانہ پاؤں تو مجھے آپ کیا حکم دیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ))** ”تم مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا۔“ میں نے عرض کیا: اور اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ہی نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امام ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ**

شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ)) ''پھر ان تمام فرقوں سے اپنے آپ کو الگ رکھنا اگرچہ تجھے کسی درخت کی جڑ چبانی پڑے، یہاں تک کہ اسی حالت میں تیری موت آجائے۔''

[صحیح بخاری:۳۶۰۶، ۷۰۸۴، صحیح مسلم:۱۸۴۷]

ہم مسلمانوں کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ یقینی طور پر ایک دن قیامت قائم ہوگی اور انسانوں سے ان کے چھوٹے بڑے تمام اعمال و افعال کا حساب لیا جائے گا اور اسی کے مطابق بدلہ دیا جائے گا، اسی طرح اس بات میں بھی ذرہ برابر شک و شبہ نہیں رکھتے ہیں کہ قیامت بُرے لوگوں پر قائم ہوگی یعنی قیامت قائم ہونے کے وقت، جو لوگ زندہ ہوں گے وہ بُرے لوگ ہوں گے اور اس وقت برائیاں عام ہو جائیں گی اور قیامت قائم ہونے سے پہلے ہی شر و فتنہ پھیل جائے گا، جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ النَّاسِ)) ''قیامت صرف بُرے لوگوں پر قائم ہوگی۔''

[صحیح بخاری:۷۰۶۷، صحیح مسلم:۲۹۴۹]

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''رات اور دن کا سلسلہ نہیں ختم ہوگا، یہاں تک کہ لات اور عزیٰ کی پرستش شروع کر دی جائے۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرا خیال تھا کہ یہ بات مکمل ہے جب اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ ''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ مشرک لوگ ناپسند کریں۔'' [الصف:۹]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک عنقریب اسی طرح ہوگا جو اللہ چاہے گا، پھر اللہ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا تو جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ فوت ہو جائیں گے اور وہ لوگ باقی بچیں گے، جن کے دل میں کچھ بھی بھلائی نہیں ہوگا اور پھر وہ لوگ اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔''

[صحیح مسلم:۲۹۰۷]

یہ بات مختلف صحیح دلائل سے ثابت ہے کہ قیامت بُرے لوگوں پر قائم ہوگی اور قیامت قائم ہونے سے

پہلے ہی قُربِ قیامت کے وقت بہت زیادہ شر وفتنہ اور بدی پھیل جائے گی، عریانیت و بے حیائی اور زناکاری و شراب نوشی عام ہوگی، نیکی و بدی کی تمیز ختم ہو جائے گی، لہو و لعب کے آلات عام ہوں گے، اولاد والدین کی نافرمان ہوگی، اوقات میں برکت کی کمی آجائے گی وغیرہ نیز قیامت قائم ہونے سے پہلے اللہ ایک خوش کن پاکیزہ ہوا بھیجے گا، جو ہر اس شخص کو محسوس ہوگی، جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا، پھر ان کی روح قبض کر لی جائے گی اور صرف کفر و شرک کرنے والے بدترین لوگ باقی بچیں گے، جن پر قیامت قائم ہوگی اور وہ لوگ زمانۂ جاہلیت کے کفار و مشرکین سے بھی بدتر ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ میں بکثرت ایسے بدترین لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن کا وجود قُربِ قیامت سے پہلے ہوگا۔ اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم بُرائی کی بابت اور بُرے لوگوں کے بارے میں مکمل جانکاری حاصل کریں تاکہ بُرے لوگوں کے اوصاف کی معرفت و شناخت حاصل کر سکیں اور اگر ہمارے اندر اس طرح کی کوئی برائی و خرابی پائی جاتی ہو تو فوری طور پر اسے ترک کرکے اللہ سے معافی طلب کریں اور بُروں کی صحبت سے بھی بچیں۔

اس حقیقت سے ہر کوئی واقف ہے کہ شریعتِ حقہ کے خلاف عمل کرنے والا کوئی بھی شخص اچھا نہیں ہو سکتا ہے اور ایک مسلمان شخص کے لیے کسی بھی شرعی حکم کا ترک کرنا درست نہیں ہے، اس لیے انسان کے بُرا ہونے کے لیے کسی شرعی حکم کا ترک کرنا ہی کافی ہے اور اسلام کی نظر میں ایسے لوگ برے ہوں گے، مگر جیسا کہ گذشتہ سطور میں، میں نے اشارہ کیا کہ کچھ ایسے مخصوص خصائل و عادات پائے جاتے ہیں، جن کے حاملین کو **شر البریة، شرار الناس، شر الناس، أشر الناس** اور **شر الخلق** وغیرہ یعنی بدترین مخلوق قرار دیا گیا ہے، انھی لوگوں کی تفصیل اس کتاب میں پیش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ

یہاں یہ بات واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ نے متعدّد احادیث میں بعض صفات سے متّصف لوگوں کے متعلق "خَيْرُ النَّاس" (سب سے اچھا) یا بعض صفات کے حاملین سے متعلق "شَرُّ النَّاس" (سب سے بُرا) ہونے کی خبر دی ہے، اسی طرح متعدّد احادیث میں بہت سے اعمال کے بارے میں سب سے اچھا عمل اور دیگر بہت سی احادیث میں بہتیرے اعمال کے بارے میں سب سے برا عمل ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ان احادیث میں آپ پائیں گے کہ کبھی کسی عمل کو سب سے اچھا عمل یا سب سے برا عمل کہا گیا ہے اور کبھی کسی دوسرے عمل

کے متعلق سب سے اچھا یا سب سے برا عمل ہونے کی خبر دی گئی ہے، اسی طرح کبھی کسی عمل کے حاملین کو سب سے اچھا یا سب سے برا قرار دیا گیا ہے اور کبھی کسی دوسرے عمل کے حاملین کو سب سے اچھا یا سب سے برا ہونے کی خبر دی گئی ہے یعنی کئی ایک عمل کو سب سے اچھا یا سب سے برا عمل قرار دیا گیا ہے اور کئی طرح کے لوگوں کے متعلق سب سے اچھا یا سب سے برا ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے موقع اور حالات کی مناسبت سے نیز سائل کے مقتضائے حال کو دیکھ کر اس کی رعایت کرتے ہوئے مختلف اوقات میں مختلف جوابات دیے ہیں یا پھر اپنی امت کو متعدّد احوال کے مطابق کسی ایسے عملِ خیر کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جس کو اپنانے سے خیر میں اضافہ ہی اضافہ ہوگا اور کسی عمل سے روکنے کے لیے اسے برائی سے موصوف کیا ہے اور اس عمل سے متّصف انسان کو بدترین مخلوق قرار دیا ہے۔

شارحینِ حدیث محدثینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس طرح کی احادیث کا مفہوم یہی بیان کیا ہے کہ انھیں مطلق طور پر سب سے افضل یا خیر الناس نہیں کہا گیا ہے، بلکہ خیر و بھلائی کی متعدّد قسموں میں سے کسی بہترین قسم کو بیان کرنا مقصود ہے اور ایک طرح کے اچھے انسان کے متعلق خبر دینے کے لیے ایسا کہا گیا ہے، ورنہ کسی بھی طرح کی افضیلت و برتری لوگوں کو ان کے اعمالِ صالحہ کے بقدر تقویٰ و صالحیت کی بنیاد پر حاصل ہوگی اور وہی سب سے افضل و بہتر ہوں گے جو اپنے اعمالِ صالحہ اور تقویٰ و طہارت کی بنیاد پر اللہ کے محبوب ہوں گے۔ چناں چہ بعض احادیث میں اول وقت میں نماز ادا کرنے کو سب سے پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے، جب کہ دیگر مختلف احادیث میں ایمان، جہاد، صدقہ، ذکرِ الٰہی، والدین کے ساتھ احسان کرنے اور کھانا کھلانے کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔ نیز اس طرح کی مختلف احادیث کے درمیان علمائے حدیث نے تطبیق کی یہ صورت بھی اپنائی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ضرورت اور وقت و حالات کی مناسبت سے نیز سائل کے مقتضائے حال کو دیکھ کر مختلف اوقات میں مختلف جوابات دیے ہیں اور یہ سب اضافی فضائل ہیں اور اپنی جگہ پر یہ سب اچھے اعمال میں سے ہیں۔ کبھی کسی حالت میں کوئی عمل افضل ہے تو کبھی کوئی دوسرا عمل افضل ہے، اسی طرح کسی فردِ معین کے لیے جہاد افضل ہے تو کسی کے لیے ذکرِ الٰہی، کسی کے لیے حج تو کسی کے لیے والدین کی خدمت کرنا، کسی کے لیے اول وقت پر نماز پڑھنا اور کسی کے لیے کوئی اور عمل افضل ہے۔

اس طرح کی احادیث کے درمیان جمع و تطبیق کی ایک صورت یہ اپنائی گئی ہے کہ قلبی اعمال میں ایمان سب

سے افضل عمل ہے، بدنی اعمال میں اول وقت پر نماز ادا کرنا سب سے بہتر عمل ہے، نیز جوانی، صحت و توانائی اور دشمن سے مقابلہ کی صورت میں جہاد سب سے افضل عمل ہے، والدین کی ضرورت اور ان کے بڑھاپے کی صورت میں ان کی خدمت کرنا سب سے بہتر عمل ہے، مالی اعمال میں صدقہ کرنا اور غریبوں کو کھانا کھلانا سب سے بہتر عمل ہے، خالی اوقات میں زبان کو ذکرِ الٰہی میں تر رکھنا سب سے بہتر عمل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس طرح روایات کے درمیان کوئی تعارض اور منافات نہیں رہتا ہے اور اس مضمون کی تمام احادیث اپنے اپنے معنیٰ و مفہوم میں صحیح ہیں اور ان کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔

اسی طرح احادیث میں جہاں کہیں کسی کو کسی مخصوص وصف کی وجہ سے بدترین مخلوق قرار دیا گیا ہے تو ہر جگہ اس سے مراد مطلق طور پر سب سے بدترین مخلوق نہیں ہیں، بلکہ اس صفت و خوبی کی مذمت بیان کرنا اور ایک قسم کے بُرے شخص کے متعلق خبر دینا مقصود ہے۔ ہاں! یہ بات یقینی ہے کہ شرک و کفر کرنے والے مطلق طور پر کائنات کے سب سے بدترین مخلوق ہیں، لہذا جن اعمال میں شرک و کفر کا شائبہ پایا جائے گا وہ لوگ بھی سب سے بدترین مخلوق قرار پائیں گے۔

اس کتاب میں اسی طرح کے بُرے لوگوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جن کو شرعی نصوص میں سب سے بُرا آدمی یا بدترین مخلوق یا صرف بدترین قرار دیا گیا ہے اور اس کتاب کی تالیف کا مقصدِ وحید صرف اتنا ہے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہم لوگ اس طرح کی برائیوں سے اپنے دامن کو بچائیں، اپنے اعمالِ صالحہ کی حفاظت کریں اور ان صفات کے حاملین سے اجتناب و دوری اختیار کریں یا ان کے اندر سدھار پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

میں اس معمولی تحریر و کاوش کے ذریعہ خود اپنے آپ کو اور تمام مسلمان مرد و خواتین کو از راہِ خیر خواہی اس طرح کے بُرے اوصاف و خصائل سے آگاہ و متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم تمام لوگ خود بھی اس طرح کی برائیوں کا خوگر بننے سے بچیں اور ان اوصاف کے حاملین افراد کی صحبت و ہم نشینی اختیار کرنے سے بھی دوری اختیار کریں۔ اللہ ہمیں اس مقصد میں کامیاب کرے، مجھ سمیت تمام مسلمانوں کو برائی اور بروں کی صحبت سے بچنے اور اچھائی کا خوگر بننے کی توفیق دے اور اس ادنیٰ سی کاوش کو قبول فرماکر ہم مسلمانوں کی زندگی میں اصلاح و درستی عطا فرمائے اور اسے ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین!

✿ ✿ ❁ ✿ ✿

گلہائے تشکر وامتنان

اللہ رب العالمین کا بے پایاں فضل وکرم اور شکر واحسان ہے کہ محض اس کی توفیق واعانت سے اس کتاب کو پورا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اسی کی مدد و توفیق سے اس کی طباعت کا مرحلہ آسان ہوا۔ میں اپنے تمام معاونین اخوان واحباب اور شیوخ کا شکر گزار ہوں، جنھوں نے کسی بھی طرح سے کتاب کی تالیف وطباعت میں حصہ لیا، بالخصوص مدیر مکتبۃ السلام برادرِ عزیز حافظ محبوب عالم عبدالسلام سلفیؔ سلمہ اللہ کا بے حد شکریہ کہ عزیزِ مکرم نے کتاب کے اسلوب کو بنانے سنوارنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے ناظمِ عمومی محب مکرم مولانا وصی اللہ عبدالحکیم مدنیؔ حفظہ اللہ اور رفیقِ خاص مولانا سعود اختر عبدالمنان سلفیؔ حفظہ اللہ کا بھی بے حد ممنون وشاکر ہوں کہ ہمارے ان دونوں بزرگوں نے ہر ممکن علمی تعاون پیش کیا اور کتاب کے مندرجات سے متعلق اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر عم گرامی قدر محترم جناب ڈاکٹر سید سعید احسن عابدیؔ حفظہ اللہ کا شکریہ ادا نہ کروں کہ جنھوں نے میری مخلصانہ گزارش پر اپنی ہمہ جہت علمی و تصنیفی مشغولیات اور اپنی بیماری و پیرانہ سالی کے باوجود پوری دقت نظری سے کتاب کے جملہ مشمولات کو پڑھا اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے ہوئے گراں قدر مقدمہ بھی تحریر فرمایا، فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

عزیزانِ گرامی قدر مولانا عبدالصبور سلفیؔ اور مولانا صلاح الدین سلفیؔ سلمهما اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھی شکر وامتنان کا پُر خلوص ہدیہ پیش کرنا اپنا واجبی فریضہ سمجھتا ہوں کہ جن کا گراں قدر تعاون اور مشورہ میری کتابوں کی طباعت واشاعت میں برابر شامل رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کی کوششوں کو قبول فرمائے اور انھیں دنیا وآخرت میں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین!

تقبل یا ذا الجلال والإکرام! وصلی اللّٰہُ علیٰ نبیه الکریم.

جمشید عالم عبدالسلام سلفیؔ
۲۰۲۳/۰۱/۱۵

1 کفر و شرک کرنے والے

خالقِ کائنات اللہ رب العالمین نے اس کائنات اور اس میں بسنے والوں کو ایک عظیم مقصد کے تحت پیدا فرمایا پھر سیدنا آدم علیہ السلام کے ذریعے اس کائنات میں انسانی آبادی کا سلسلہ جاری کیا، انسانوں کی نشو و نما اور ان کی زندگی کی بقا کے لیے ہر قسم کے انواع واقسام کی نعمتیں پیدا کیں اور انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہر دور میں انبیاء کا سلسلہ جاری رکھا اور ان پر کتابیں نازل کیں۔ تمام انبیاء کی دعوت کا بنیادی مقصد لوگوں کو توحید پر قائم رکھنا یعنی سب کو ایک اللہ کی عبادت پر راغب کرنا اور انھیں اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنے سے روکنا تھا، کیوں کہ شرک اس کائنات کا سب سے بڑا گناہ اور اللہ کے ساتھ سب سے بڑی غداری ہے۔

شرک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو اس کا ہم سر اور مد مقابل سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کے جملہ خصائص و صفات میں یا کسی ایک صفت و خصوصیت میں کسی مخلوق کو اس کا ہم سر و ساجھی ٹھہرانا۔

جب کفر و شرک سب سے بڑا اور بدترین گناہ ہے تو اس اعتبار سے روئے زمین کے سب سے بدترین لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے اور غیر اللہ کو اس کے مد مقابل کھڑا کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب اور مشرکین میں کفر کرنے والوں کو سب سے بدترین مخلوق قرار دیا ہے، فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ [البينة : ٦] ”بے شک وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، جہنم کی آگ میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی لوگ مخلوق میں سب سے برے ہیں۔“

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفر کرنے والے مشرکین تمام مخلوقات میں سب سے بدترین مخلوق ہیں۔ کفر و شرک کرنے والے اور کسی مخلوق کو اللہ کا ہم سر قرار دینے والے روئے زمین کے سب سے بدترین مخلوق کیوں نہ ہوں؟ جب کہ شرک بہت بڑا ظلم اور روئے زمین کا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ ”یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“ [لقمان:١٣]

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) ”تم اللہ کے ساتھ کسی کو ہم سر ٹھہراؤ حالاں کہ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے۔“ [صحیح بخاری: ۴۴۷۷، صحیح مسلم: ۸۶]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیتِ کریمہ: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم (یعنی شرک) کے ساتھ نہیں ملایا۔“ [الانعام: ۸۲] نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اس آیت کا مضمون شاق گزرا۔ انھوں نے عرض کیا: ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر (کوئی) ظلم نہیں کیا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو تم سمجھ رہے ہو وہ بات نہیں ہے، کیا تم نے لقمان کا قول نہیں سنا، جو وہ اپنے بیٹے سے کہہ رہے تھے:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان: ۱۳] ”یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

[صحیح بخاری: ۶۹۱۸، ۶۹۳۷، صحیح مسلم: ۱۲۴]

یہاں سورۂ لقمان کی آیتِ کریمہ کے اس ٹکڑے میں شرک کو ظلمِ عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یقیناً شرک سب سے بڑا گناہ اور ظلمِ عظیم ہے۔ کسی چیز کو اس کی جگہ کے بجائے دوسری جگہ رکھ دینے کو ظلم کہتے ہیں نیز ظلم ظلام سے مشتق ہے، جس کے اصلی معنیٰ تاریکی اور اندھیرا کے ہیں، اندھیرے میں آدمی ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے اور چیزوں کو ان کی جگہوں پر نہیں رکھ پاتا ہے۔ یہی حالت شرک کرنے والوں کی ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جملہ خصوصیات یا بعض خصائص کا مالک کسی فرد بشر کو سمجھنے لگتے ہیں۔

اس سے بڑی حق تلفی و ناانصافی اور کیا ہوگی کہ مختارِ کل خالقِ کائنات کے مقابلے میں اسی کی عاجز و ناکارہ مخلوق کو اس کے بالمقابل کھڑا کر دیا جائے! اس ذاتِ باری تعالیٰ کے اوصاف و اختیارات کو اسی کی مخلوق میں سے کسی ناتواں بندے کو دے دیا جائے! بھلا بتاؤ اس سے بڑی ناانصافی اور حق تلفی کچھ اور ہو سکتی ہے؟ کیا روئے زمین پر اس سے بھی بڑا کوئی اور گناہ ہو سکتا ہے؟ قطعی نہیں، شرک سب سے بڑی ناانصافی اور سب سے بڑا گناہ ہے۔ شرک کے ظلمِ عظیم ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے مذکورہ آیتِ کریمہ کی تفسیر میں بالغ نظر مفسرِ قرآن علامہ عبدالرحمان سعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اور اس کے ظلمِ عظیم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کوئی برا نہیں، جو مٹی سے بنی

ہوئی مخلوق کو کائنات کے مالک کے مساوی قرار دیتا ہے، وہ اس ناچیز کو جو کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتی اس ہستی کے برابر سمجھتا ہے، جو تمام اختیارات کی مالک ہے۔ جو ناقص اور ہر لحاظ سے محتاج ہستی کو ربِ کامل کے برابر مانتا ہے، جو ہر لحاظ سے بے نیاز ہے، وہ ایسی ہستی کو جس کے پاس اتنا بھی اختیار نہیں کہ وہ ذرہ بھر بھی کسی کو نعمت عطا کر سکے ایسی ہستی کے مساوی قرار دیتا ہے کہ مخلوق کے دین و دنیا، آخرت اور ان کے قلب و بدن میں جو بھی نعمت ہے وہ اسی کی طرف سے ہے اور اس ہستی کے سوا کوئی تکلیف دور نہیں کر سکتا۔ کیا اس سے بھی بڑا کوئی ظلم ہے؟

کیا اس سے بڑا کوئی ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسے اپنی عبادت اور توحید کے لیے پیدا کیا وہ اپنے شرف کے حامل نفس کو خسیس ترین مرتبے تک گرا دیتا ہے اور اس سے ایسی چیز کی عبادت کراتا ہے جو کچھ بھی نہیں؟ پس وہ اپنے آپ پر بہت بڑا ظلم کرتا ہے۔" [تفسیر سعدی: ۲۰۹۴]

یقیناً شرک کرنے والے جانوروں سے بھی بدتر مخلوق ہیں، جانوروں کو تو اللہ تعالیٰ نے عقل و سمجھ نہیں دی ہے پھر بھی وہ اپنے مالک کے وفادار ہوتے ہیں، لیکن شرک کرنے والے یہ انسان نما جانور کان ہونے کے باوجود اچھی باتیں سننے، زبان رکھنے کے باوجود اچھی و بھلی باتیں اور ذکر و اذکار کرنے کے روادار نہیں ہیں اور عقل و شعور کے باوجود حق بات سمجھنے اور قبول کرنے سے عاری ہیں۔ اللہ رب العالمین نے ایسے لوگوں کو ان کے کفر و انکار، عدمِ ایمان اور خیانت و بدعہدی کی وجہ سے شرفِ انسانیت سے محروم قرار دے کر انھیں جانوروں سے بھی بدتر انسان قرار دیا ہے، جیسا کہ درج ذیل قرآنی آیات کے اندر واضح اسلوب میں نہایت صراحت کے ساتھ اس بات کی وضاحت موجود ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾ "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم ہی کے لیے پیدا کیے ہیں، ان کے دل ہیں جن کے ساتھ وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے نہیں، یہ لوگ چوپاؤں جیسے ہیں، بلکہ یہ زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، یہی ہیں جو بالکل بے خبر ہیں۔" [الأعراف:۱۷۹]

﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ﴾ ''بے شک تمام جانوروں سے برے اللہ کے نزدیک وہ بہرے، گونگے ہیں، جو سمجھتے نہیں۔'' [الأنفال:۲۲]

﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۞ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ﴾ ''بے شک سب جانوروں سے برے اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں، جنھوں نے کفر کیا، سو وہ ایمان نہیں لاتے۔ وہ جن سے تو نے عہد باندھا، پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے۔'' [الأنفال:۵۵-۵۶]

﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۞ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾ ''کیا تو نے وہ شخص دیکھا، جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا تو کیا تو اس کا ذمہ دار ہو گا یا تو گمان کرتا ہے کہ واقعی ان کے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں، وہ نہیں ہیں، مگر چوپاؤں کی طرح، بلکہ وہ راستے کے اعتبار سے زیادہ گمراہ ہیں۔'' [الفرقان:۴۳-۴۴]

شرک کرنے والا اندھیر نگری کی تاریکیوں میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے اور اس کے عقل پر تاریکی کا ایسا دبیز پردہ پڑ جاتا ہے کہ کائنات کا یہ معتدل نظام، دن و رات کا آنا جانا، شمس و قمر اور تاروں کی یکساں گردش، انسانی جسم کی انمول بناوٹ اور ذرے ذرے کی یہ تابانی یکتا و بے ہمتا اللہ وحدہ لا شریک لہ کے وجود اور اس کے خالق و معبود اور مختارِ کل ہونے کی روشن دلائل سے روشنی و عبرت لینے اور ان پر غور و تدبر کرنے کے بجائے شرک کی گرداب میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین روئے زمین کے بدترین انسان ہیں اور شرک کی حالت میں کیے گئے ان کے سارے اعمال رائیگاں اور بے کار ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدّد مقامات پر مختلف پیرائے میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے اور شرک سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔ پھر بھی بہت سے مسلمان شرک میں مبتلا نظر آتے ہیں، ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت و الوہیت کا اقرار کرتے ہیں اور اس کی عبادت بھی بجا لاتے ہیں تو دوسری طرف شرکیہ اعمال بھی انجام دیتے ہیں۔ جب کہ کفر و شرک کرنے والے روئے زمین کے سب سے بدترین مخلوق ہیں اور شرک کی وجہ سے ان کے دیگر اچھے اعمال بھی ضائع و برباد ہو جائیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اعمال و افعال کا جائزہ لیں

اور ایسے تمام امور و معاملات سے بچیں، جن میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو۔

میرے مسلمان بھائیو! یقینی طور پر آپ جان لیجیے کہ شرک صرف یہ نہیں ہے کہ دو الٰہ کا تصور رکھا جائے اور بتوں کی پوجا کی جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں غیر اللہ کو شریک ماننا اور اس کے جملہ اوصاف و خصائص میں سے کسی وصف و خصوصیت کو غیر اللہ کے لیے ثابت ماننا بھی شرک ہے۔ اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے مسلم معاشرے کا جائزہ لیں تو اسلام کا دعویٰ کرنے والے بہت سے مسلمان بھی واضح شرک کرتے نظر آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عبادت و بندگی کا حکم دیا ہے، مصیبت و پریشانی میں کسی اور مخلوق کا در کھٹکھٹانے سے روکا ہے اور کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمھاری پکار کو سنوں گا، مگر افسوس کہ بہت سے نادان لوگ قبروں میں مدفون مُردوں سے فریاد رسی کرتے ہیں، ان سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور مصیبت و پریشانی کے وقت ان کے نام کی مالا جپتے ہیں، ان کے لیے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، ان کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں، ان کو کائنات کا متصرف سمجھتے ہوئے انھیں مختارِ کل سمجھتے ہیں، انھیں حلال و حرام کا مالک سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ رکھ کر ان کے قبروں پر رکوع و سجدہ اور طواف کرتے ہیں۔ شرکیہ تعویذ گنڈوں کا سہارا لیتے ہیں اور کاہن و جادوگر قسم کے گمراہ دُواڑیوں اور جھاڑ پھونک کرنے والوں کو نفع و نقصان کا مالک تصور کرنے لگتے ہیں۔

مسلمانو! ہمارے معاشرے میں اس طرح کے پھیلے یہ سارے مظاہر واضح شرک ہیں، لہٰذا اپنے ایمان و توحید اور اعمالِ صالحہ کے تحفظ و بقا کے لیے ان سے بچنا از حد ضروری ہے۔ کوئی کتنا بھی نیک عمل کر لے اگر وہ شرک کا مرتکب ہو رہا ہے تو اس شرک کی وجہ سے اس کے سارے اعمالِ صالحہ ناقابلِ قبول ہوں گے اور اس کے نیک اعمال کو ضائع کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يَكْفُرْ بِٱلْإِيمَٰنِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُۥ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ﴾

''اور جو ایمان سے انکار کرے تو یقیناً اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہے۔'' [المائدة:۵]

کئی انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ هُدَى ٱللَّهِ يَهْدِى بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم

مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾ ''یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر چلاتا ہے اور اگر وہ لوگ بھی شرک کرتے تو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے وہ ان سے برباد ہو جاتا۔'' [الانعام:۸۸]

نیز نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَـٰسِرِينَ﴾ ''اور یقیناً تیری طرف وحی کی گئی اور ان لوگوں کی طرف بھی جو تجھ سے پہلے تھے کہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو ضرور تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو بالضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔'' [الزمر:۶۵]

ذرا آپ خود ہی غور کریں اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا مزارات و مقابر پر ایسا نہیں ہو رہا ہے؟ قبروں میں مدفون افراد کو حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھا جا رہا ہے؟ ان سے اپنی مرادیں نہیں مانگی جا رہی ہیں؟ ان سے اولاد نہیں طلب کیا جا رہا ہے؟ قبروں کا طواف اور ان کا سجدہ نہیں کیا جا رہا ہے؟ اور اگر یہی سب کچھ ہو رہا ہے، جیسا کہ ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو کیا یہ صریح شرک نہیں ہے؟ حقیقت میں ان مظاہر کے شرک ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہے، اس لیے اپنے اعمالِ صالحہ کو بچانے اور اللہ کی نظر میں دنیا کا بدترین مخلوق بننے سے بچنے کے لیے اپنے ظاہری و باطنی اعمال اور عقائد میں سدھار پیدا کیجیے اور اللہ کا مقرب و پسندیدہ بندہ بنیے۔

دعا ہے کہ اے اللہ! ہمارے ایمان و عقیدے کی حفاظت فرما، شرکیہ اعمال و رسوم سے محفوظ رکھ اور ہمیں تا حینِ حیات اپنی توحیدِ خالص پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ آمین!

✿ ✿ ❀ ✿ ✿

❷ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے

آپ یہ بات بخوبی جانتے ہیں اور گذشتہ صفحات میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، شرک کی حالت میں کیا جانے والا نیک عمل بھی ناقابلِ قبول ہوتا ہے اور شرک کرنے والے مشرکین روئے زمین کے سب سے بدترین مخلوق ہیں۔ اس قدر سخت مذمت کے باوجود بھی بہت سے کلمہ گو مسلمان شرکیہ اعمال انجام دیتے رہتے ہیں، چناں چہ موجودہ دور میں بہت سے نام نہاد مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے یہاں مردہ پرستی اور پیر پرستی کے ساتھ ساتھ آستانوں، مزاروں اور قبروں کی پرستش و بندگی بھی عام ہے، جب کہ ان میں شرک کا واضح شائبہ پایا جاتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے بطور خاص اس سے روکا بھی ہے نیز قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں کو بدترین مخلوق قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ، وَمَنْ يَتَّخِذُ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ))
”بے شک بدترین لوگ وہ ہیں، جن کو قیامت زندہ پالے گی اور جو قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے ہیں۔“

[مسند احمد: ۳۸۴۴، ۴۱۴۳، اسنادہ حسن، اس حدیث کی اصل قدرے اختصار کے ساتھ صحیحین میں بھی موجود ہے]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں پر قیامت قائم ہوگی اور جو لوگ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے ہیں وہ بدترین لوگ ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر قبروں کو سجدہ کرنا شرک ہے، اسی لیے اللہ کے نبی ﷺ نے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں کو بدترین مخلوق کہا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں خاص انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں کو ”شرار الناس“ یعنی سب سے بُرے لوگ قرار دیا گیا ہے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی آخری گفتگو یہ تھی:

((أَخْرِجُوا يَهُودَ أَهْلِ الْحِجَازِ، وَأَهْلَ نَجْرَانَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، وَاعْلَمُوا أَنَّ شِرَارَ النَّاسِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) ”تم حجاز اور نجران کے یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دینا اور یاد رکھو کہ سب سے برے لوگ وہ ہیں، جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔“

[مسند احمد: ۱۶۹۱، ۱۶۹۴، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۱۱۳۲]

ام المؤمنین ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گرجے کا ذکر کیا، جسے انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور جس میں تصویریں بھی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أُولَئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ''ان لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب ان میں کا کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور اس میں اس طرح کی تصویریں بنا دیتے۔ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک یہ تمام مخلوق میں سے بدترین ہوں گے۔'' [صحیح بخاری:۴۲۷، صحیح مسلم:۵۲۸]

اس حدیث میں بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ لوگ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بدترین مخلوق ہوں گے۔ دراصل انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں کو بدترین مخلوق قرار دے کر دراصل قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکنا مقصود ہے، کیوں کہ یہ شرک کا وسیلہ ہے، اس کی وجہ سے آدمی صاحبِ قبر سے اپنی مرادیں وابستہ کرنے لگتا ہے، ان کے لیے نذر و نیاز اور چڑھاوے چڑھانے لگتا ہے، اہلِ قبور کو نفع و نقصان کا مالک تصور کرنے لگتا ہے اور خاص قبروں اور اہلِ قبور کی پوجا کرنا شروع کر دیتا ہے، جو کہ صریح شرک ہے، جیسا کہ موجودہ دور میں آستانوں اور مزاروں پر اس کا عام مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، بلکہ آستانوں، مزاروں اور قبروں کو اتنا شاندار اور پختہ بنایا جاتا ہے کہ اس پر مسجد ہونے کا شبہ ہونے لگتا ہے اور عملاً قبروں کے پجاری اُنھیں مسجد سے افضل و برتر سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں عورتوں، مردوں اور جاہلوں کی ایک مخلوط بھیڑ لگی رہتی ہے اور یہ لوگ صاحبِ قبر سے اپنی منتیں مانگتے ہیں اور ان سے اسی طرح کی دعائیں کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے، قبروں پر ماتھے ٹیکتے ہیں، ان کا طواف کرتے ہیں، مخصوص و معین دن میں وہاں حاضری دے کر ان کے نام کا ذبیحہ پیش کرتے ہیں اور ان کی طرف اپنا پشت کرنا گوارا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے اور سختی کے ساتھ اپنی امت کو اس سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں فرمایا، جس میں آپ کی وفات ہوئی:

((لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) ''اللہ کی لعنت ہو یہودیوں اور عیسائیوں پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔''

وہ کہتی ہیں: اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر کھلی رہتی، کھلی نہ رکھنے کی وجہ صرف یہی ڈر تھا کہ کہیں اسے مسجد نہ بنالیا جائے۔ [صحیح بخاری:۱۳۹۰، صحیح مسلم:۵۲۹]

انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے یہودیوں کو اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہلاک ہونے کی بد دعا دی ہے۔ ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

((قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُوْدَ، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) ”اللہ یہودیوں کو ہلاک کرے اُنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔“ [صحیح بخاری:۴۳۷، صحیح مسلم:۵۳۰]

جندب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی وفات سے پانچ روز پہلے ارشاد فرمایا:

((.....أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ)) ”.....سن لو! بے شک تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اپنے انبیاء اور اپنے نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد بنالیتے تھے، خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا، بے شک میں تم کو اس سے روکتا ہوں۔“ [صحیح مسلم:۵۳۲]

قبروں کو سجدہ گاہ بنانا گویا قبروں کو بت بنانا ہے، اسی لیے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی امت کو شرک میں مبتلا ہونے اور شرک کے وسائل سے دور رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اس کی پوجا کریں۔ عطا بن یسار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

((اللَّهُمَّ! لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ، اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) ”اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پرستش کی جائے، اللہ کی سخت ناراضی ہوئی ان لوگوں پر جنھوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔“

[امام مالک نے اپنی کتاب موطا (برقم:۴۷۵) میں اسے مرسلاً روایت کیا ہے۔ شواہد کی بنیاد پر یہ روایت صحیح ہے۔]

ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

((...وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِيْ عِيْدًا)) ”...اور میری قبر کو عید (یعنی میلہ گاہ) نہ بنانا۔“

[سنن ابوداود:۲۰۴۲، مسند احمد:۸۸۰۴، صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ:۷۲۲۶]

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی قبر کو سجدہ گاہ اور میلہ وغیرہ نہیں بنایا جاسکا،

مگر اس امت میں بہت سے لوگوں نے اپنے بزرگوں کی قبروں کو واضح طور پر سجدہ گاہ اور میلہ کی جگہ بنا لیا ہے۔ ذرا ٹھنڈے ذہن و دماغ اور قلبِ سلیم سے غور کریں کہ زیارت کے نام پر قبروں کی حد سے زیادہ تعظیم کرنا، ان پر مزار بنا کر چڑھاوے بھینٹ کرنا، وہاں اجتماع کر کے میلہ لگانا اور ان میں مدفون لوگوں کو مدد کے لیے پکارنا قبر کو بت بنا کر پوجنے جیسا نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟ حقیقت میں یہ صریح طور پر نبوی فرمان کی خلاف ورزی ہے۔

قبروں کو سجدہ گاہ بنانا اور اہلِ قبور کو حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارنا درست اور کارِ ثواب ہوتا تو اس امت کے افضل ترین لوگ یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سب سے برتر و افضل انسان اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر ضرور حاضری دیتے اور ان سے اپنی مرادیں مانگتے، لیکن انھوں نے ایسا کبھی نہیں کیا، اپنی کسی ضرورت کے لیے قبرِ نبوی پر جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارا، قبر پر جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست نہیں کی، بلکہ اسے غیر شرعی اور شرکیہ عمل سمجھا، لیکن بڑے دکھ و افسوس کی بات ہے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو جن شرکیہ اعمال و وسائل سے دور رکھنا چاہتے تھے آج امت کا ایک طبقہ اُنھی شرکیہ اعمال و وسائل کا رسیا و خوگر بنا ہوا ہے اور اُنھی خلافِ شرع شرکیہ امور کو جزو دین بنائے ہوئے ہے۔ **أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنهُم**

گذشتہ احادیث میں نہایت سختی کے ساتھ قبروں کو مساجد اور سجدہ گاہ بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت میں قبروں کے اوپر نماز پڑھنا، قبروں کی طرف رخ کر کے ان کے گرد و نواح میں نماز پڑھنا اور قبروں پر مساجد بنا کر اس کے اندر نماز پڑھنا، تینوں صورتیں داخل ہیں اور تینوں صورتیں ممنوع ہیں اور ان تینوں صورتوں کے منع کی خاص دلیلیں بھی موجود ہیں۔ البتہ جو شخص نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہو سکے وہ قبر پر جا کر نمازِ جنازہ ادا کر سکتا ہے، کیوں کہ اس میں رکوع و سجود نہیں مقرر کیے گئے ہیں کہ جس کی وجہ سے قبر پر نماز جنازہ سجدہ کی صورت اختیار کر لے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ثابت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پر جا کر نمازِ جنازہ ادا کی ہے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی میں ایک حبشی مرد یا حبشی عورت جھاڑو دیا کرتی تھی، اس کا انتقال ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق دریافت فرمایا، لوگوں نے بتایا کہ وہ تو فوت ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا، پھر آپ نے اس کی قبر دریافت کی اور وہاں تشریف لائے اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھی۔ [دیکھیے: صحیح بخاری: ۴۵۸، صحیح مسلم: ۹۵۶]

بعض لوگ قبرستان میں مسجد بنانے اور قبروں پر عام نمازوں کے پڑھنے کو جائز قرار دینے کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ مسجدِ نبوی میں بھی نبی کریم ﷺ اور شیخین امیر المؤمنین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں ہیں، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تدفین حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہوئی تھی اور اس کے بعد شیخین کی تدفین بھی وہیں ہوئی اور پھر اس جگہ کو چاروں طرف سے بند کر کے مسجد سے الگ کر دیا گیا اور مسجد و قبر کے درمیان دیواریں حائل کر دی گئیں تاکہ قبر کے قریب سجدہ نہ ہو سکے۔

مزید یہ کہ جس عمل سے رسول اللہ ﷺ نے صریح طور پر واضح الفاظ میں منع کیا ہو، اپنی آخری بیماری کے ایام میں جس سے پوری شدت کے ساتھ روکا ہو، جسے انجام دینے والوں پر لعنت بھیجی ہو اور انھیں بدترین مخلوق قرار دیا ہو وہی کام غیر صریح اور موہوم دلائل کا سہارا لے کر انجام دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

ایسا عمل انجام دینا اور اسے جائز قرار دینے کے لیے بے جا طور پر جھوٹی دلیلیں فراہم کرنا دراصل دین کا مذاق اڑانا ہے۔ غور کریں! جس کام میں واضح شرک پایا جاتا ہو اسے دین و شریعت بنا لینا دین کی مخالفت نیز اللہ اور اس کے رسول کا کھلا مذاق اور شریعت کی واضح نافرمانی نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ اللہ ہمیں شرکیہ امور سے بچائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین!

3 دین سے نکلنے والے خوارج

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس بات سے باخبر کیا ہے اور یہ پیشین گوئی کی ہے کہ اس امت میں ایسے بدترین لوگ پیدا ہوں گے، جو دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے، جب کہ ان کی ظاہری حالت یہ ہوگی کہ شکل و صورت اور گفتگو سے وہ بہت دین دار نظر آئیں گے، ان کی نمازیں اور روزے بظاہر بڑی خشوع و خضوع والی ہوں گی اور وہ اللہ کی کتاب قرآن کریم بھی پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے گلے کے نیچے نہیں اترے گا یعنی قرآن کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور ان کے دل اس کو سمجھنے سے قاصر ہوں گے۔

اس سلسلے میں نبوی پیشین گوئی برحق ثابت ہوئی اور امتِ اسلامیہ کے لیے دین سے نکلنے والا خارجیوں کا ایک عظیم فتنہ خلیفۃ المسلمین علی رضی اللہ عنہ کے دور میں باقاعدہ ایک گروہ اور جماعت کی شکل میں وجود میں آیا۔ دین سے نکلنے والے ان خارجیوں نے جنگِ صفین کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح کے لیے طرفین سے مقرر حَکَم کو قبول کر لینے کے بعد ان کے خلاف خروج کیا تھا، اس لیے اُنھیں خوارج کہا جاتا ہے۔ مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج اور بغاوت، غیر کفریہ عمل پر اہلِ قبلہ کو کافر قرار دے کر ان کے جان و مال کو حلال سمجھنا، شرعی حدود کو تجاوز کر کے ایسے امور کو بھی گناہ قرار دینا، جو شرعاً گناہ نہیں ہیں، قرآنی آیات کی اپنے پسند کے مطابق من مانی تاویل کرنا اور اپنے سیاسی مخالفین کو کافر قرار دینا، دین میں غلو سے کام لیتے ہوئے ظاہری حالت کو بہت اچھا بنانا ان کی علامت و پہچان تھی۔ یہ جاہل و گنوار قسم کے لوگ تھے، قتل اور لوٹ مار ان کا شیوہ تھا، پوری اسلامی تاریخ میں یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے ایمان اور کفر اور اسلام کے دیگر بنیادی اصطلاحوں کا معنٰی اپنی عقل و مرضی سے اپنے من موافق نکالا اور اپنے مخالفین کو کافر گردانا۔

ابتدائی طور پر اس گروہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور عام مسلمانوں کے مقابلے میں جو عقیدہ و فکر کشید کیا تھا آج بھی بہت سے نام نہاد اسکالرس اس فکر سے متاثر نظر آتے ہیں، بلکہ اس کی حمایت و تائید اور ان کے گمراہ فکر و نظریے کی نشر و اشاعت میں پوری تن دہی سے حصہ لیتے ہیں، جب کہ دین سے نکلنے والے ایسے لوگوں کو بدترین مخلوق قرار دیا گیا ہے، بلکہ انھیں جہنم کا کتا کہا گیا ہے۔ چناں چہ ابوذر غفاری اور رافع بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہما

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ بَعْدِي مِنْ أُمَّتِي – أَوْ سَيَكُونُ بَعْدِي مِنْ أُمَّتِي – قَوْمٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ حَلَاقِيمَهُمْ، يَخْرُجُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَخْرُجُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، ثُمَّ لَا يَعُودُونَ فِيهِ، هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ)) ”میرے بعد میری امت میں عنقریب کچھ ایسے لوگ ہوں گے، جو قرآن پڑھیں گے، مگر وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے اور پھر اس کی طرف واپس نہیں آئیں گے، یہ تمام لوگوں میں بدترین مخلوق ہوں گے۔“
[صحیح مسلم:۱۰۶۷، ابن ماجہ:۱۷۰، مسند احمد:۲۰۳۴۲]

نیز ان کی ایک پہچان سر منڈانا بتائی گئی ہے، جیسا کہ مسند احمد وغیرہ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:
((سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ)) یعنی ”ان لوگوں کی علامت سر منڈانا ہوگی۔“ [مسند احمد:۲۱۵۳۱/اسنادہ صحیح]

اسی طرح ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی اس امت میں ہونے والے کچھ ایسے لوگوں کا تذکرہ فرمایا کہ وہ لوگ افتراق کے وقت نکلیں گے، ان کی پہچان سر منڈانا ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا:

((هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ أَوْ مِنْ أَشَرِّ الْخَلْقِ يَقْتُلُهُمْ أَدْنَى الطَّائِفَتَيْنِ إِلَى الْحَقِّ)) ”وہ بدترین مخلوق یا فرمایا سب سے بدترین مخلوق ہوں گے، ان کو (تفرقہ والی) دو جماعتوں میں سے وہ جماعت قتل کرے گی، جو حق کے زیادہ قریب ہوگی۔“ [صحیح مسلم:۱۰۶۵]

موجودہ خارجیوں کی شناخت کے لیے یہ بات یاد رکھیں کہ ہر وہ شخص جو کتاب و سنت کے حکم کو ماننے سے انکار کرے، ان کی من مانی تاویل کرے، ظلم و زیادتی کرنے والے امراء و حکام کے خلاف خروج و بغاوت کو روا رکھے، غیر کفریہ عمل کا ارتکاب کرنے والے اہلِ ایمان کو کافر قرار دے اور یہ عقیدہ رکھے کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہیں گے اور اس امت کے افضل ترین گروہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر و تخفیف کرے تو اس کا شمار بھی خوارج میں ہوگا۔ دین سے نکلنے والے ایسے خارجیوں کو رسول کریم ﷺ نے بدترین مخلوق قرار دیا ہے اور ان کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ وہ دینِ اسلام سے نکلنے کے بعد اس میں دوبارہ نہیں لوٹ پائیں گے۔

موجودہ دور میں خارجی فکر و عقیدہ کا فتنہ بہت عروج پر ہے اور اس فکر کے داعیان پوری دنیا میں پھیلے

ہوئے ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر سلفِ صالحین کے منہج اور ان کے فہم کو ترک کرکے اپنی من مانی کرتے ہیں، کتاب وسنت کا علم حاصل کیے بغیر فتویٰ بازی کرتے ہیں، راسخ العلم علمائے کرام پر پھبتی کستے ہیں اور ان کے بارے میں طعن وتشنیع کرتے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم سے نوازتے ہیں اور ان کی تنقیص کرتے ہیں، مسلم حکامِ وقت کے خلاف وہاں کے عوام کو اکسا کر فتنہ وفساد پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، اپنی ذاتی فہم وعقل کے سامنے سلفِ صالحین کے فہم ومنہج کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں، بلکہ اپنی غلط باتوں کی تائید وتصویب کے لیے کتاب وسنت کے نصوص کی من مانی تاویل کرتے ہیں، جدید مسائل پر علم وتفقہ کے بغیر بے جا بحث وکرید کرتے ہیں، دین میں غلو سے کام لیتے ہوئے خود اپنے آپ پر تشدد کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی تنگی میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی غلط معلومات اور باطل اجتہادات کو بہت بڑا علم باور کراتے ہیں اور ہر جگہ اپنی ذات وحیثیت کو نمایاں کرنے کے فراق میں رہتے ہیں اور جاہل قسم کے لوگوں کو بوجھل القاب دے کر بہت بڑا علامہ بنا کر پیش کرتے ہیں اور اپنے معمولی کاموں کو بہت بڑا تصور کرتے کراتے ہیں۔

آج بالعموم پوری دنیا میں مسلمان اور بالخصوص چھوٹی چھوٹی مسلم حکومتوں کے اندر بسنے والے عوام وحکام اِنھی خارجی صفت لوگوں سے پریشان ہیں، خارجی فکر کے لوگ تشدد کی راہ اپنا کر خود مسلم امت پر ظلم ڈھاتے ہیں اور بہت سی جگہوں پر حکومتِ وقت کے خلاف عوام کو اکسا کر وہاں خانہ جنگی کی صورت پیدا کیے ہوئے ہیں، مسندِ افتا پر براجمان ہوکر معمولی معمولی اختلاف کی بنیاد پر مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ آئے دن کمزور ونہتے مسلمانوں پر خودکش اور بمبار حملے ہورہے ہیں اور حملہ آور کوئی دور کا باہری دشمن نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہی اسلام کے نام لیوا خارجی صفت یا ان کے افکار ونظریات سے متاثر بھولے بھالے لوگ ہوتے ہیں۔

موجودہ دور میں اسلام کے نام لیوا اِن داخلی دشمنوں سے جتنا اسلام کو نقصان پہنچا ہے اتنا خارجی دشمنوں سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا ہے۔ خارجی فکر وذہن رکھنے والوں نے پورے دین کو مشکوک بنا ڈالا، سلفِ صالحین کے منہج واستناد کو بے وقعت کر دیا اور ان کے فکر وفہم سے بغاوت کرکے اطاعت وپیروی، عقیدہ وعمل، عبادت وبندگی، دعوت وتبلیغ اور تربیت وتزکیہ کو بغاوت وسرکشی، حکومت وسلطنت کا حصول اور گندی سیاست میں دخول سے بدل دیا ہے۔ ان کی اول وآخر کوشش مسلم حکمرانوں کے خلاف بغاوت ونفرت کو ہوا دے کر حکومت وسلطنت کا حصول ہے اور اس کے لیے انھوں نے دین اور مبادیاتِ دین کی من مانی

تشریح شروع کردی اور جو چیزیں ان کے عقلِ کل میں نہیں سمائیں ان کا انکار ضروری قرار پایا۔

موجودہ دور کے انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی آزاد فضا میں بہت سے کم علم اور نادان لوگ دینی مسائل پر بھی بحث و مباحثہ کرتے ہیں، بد زبانی اور فحش کلامی کا سہارا لے کر لوگوں کو سب وشتم سے نوازتے ہیں، بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نہ جانتے ہوئے بھی بہت سے مسائل میں فتویٰ بازی کرتے نظر آتے ہیں، اہلِ علم کی اہم تحقیقات کو کھلا چیلنج دے کر سرِ عام اس کا انکار کرتے ہیں، ان سے کسی مسئلے میں اختلاف کی بنیاد پر ان کی پوری خدمات کو پیچھے ڈال دیتے ہیں، کسی مسئلے میں بحث و مباحثہ کرتے ہوئے فریقِ مخالف کو گالی گلوچ اور سخت بدکلامی کا نشانہ بناتے ہیں، حالاں کہ متعلقہ مسائل پر بحث کرنے کے وہ قطعی طور پر اہل نہیں ہوتے ہیں۔ درحقیقت ایسے لوگ خارجی فکر کے حامل ہوتے ہیں اور بہت سے علما و محققین کی شاذ آراء کی آڑ لے کر دین کی مُسلَّمات کا استخفاف اور انکار کرتے ہیں اور پھر بھٹکتوں کی ایک بھیڑ ان کی تعریف و ستائش کرتی نظر آتی ہے۔ علم و جان کاری کے بغیر فتویٰ بازی کرنا، دینی مسائل میں اپنی رائے رکھنا اور ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اور خارجیت کی راہ اپنانا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتُ، يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ، وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ قِيلَ: وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ؟ قَالَ: الرَّجُلُ التَّافِهُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ)) ”عنقریب لوگوں پر مکر و فریب والے سال آئیں گے، ان میں جھوٹے کی تصدیق کی جائے گی اور سچے کو جھوٹا قرار دیا جائے گا، خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا اور اس دور میں ”رُوَيْبِضَة“ بات کرے گا۔ پوچھا گیا: ”رُوَيْبِضَة“ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کے معاملات میں رائے دینے والا بے وقوف اور عیب دار آدمی۔“

[سنن ابن ماجہ:۴۰۳۶، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ:۱۸۸۷]

نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَظْهَرَ الْفُحْشُ وَالْبُخْلُ، وَيُخَوَّنَ الْأَمِينُ، وَيُؤْتَمَنَ الْخَائِنُ، وَيَهْلِكَ الْوُعُولُ، وَتَظْهَرَ التَّحُوتُ)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا

الْوُعُولُ وَالتَّحُوتُ؟ قَالَ: ((الْوُعُولُ: وجُوهُ النَّاسِ وَأَشْرَافُهُمْ، وَالتَّحُوتُ: الَّذِينَ كَانُوا تَحْتَ أَقْدَامِ النَّاسِ لَا يُعْلَمُ بِهِمْ)) ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ بے حیائی اور بخل ظاہر ہو جائے گی، امین کو خائن اور خائن کو امین بنا لیا جائے گا، ”وُعُول“ ہلاک ہو جائیں گے اور ”تَحُوتُ“ ظاہر ہو جائیں گے۔“ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ”وُعُول“ اور ”تَحُوتُ“ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وُعُول: سے مراد سردار اور معزز لوگ ہیں اور تَحُوتُ: سے مراد وہ لوگ ہیں، جو لوگوں کے پاؤں تلے تھے اور ان کو کوئی نہیں جانتا تھا۔“

[صحیح ابن حبان: ۶۸۴۳، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۳۲۱۱]

واقعہ یہ ہے کہ بہت سارے افراد جو عصری علوم سے تو بہرہ ور ہوتے ہیں تاہم دینی تفقہ کے لیے نہ تو باقاعدہ کسی دینی ادارہ میں رہ کر کتاب و سنت کی تعلیم اور اس کی فہم و ادراک حاصل کرتے اور نہ کسی مستند عالم دین کی صحبت میں رہ کر دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، عربی زبان و ادب یا اس کے مزاج سے بھی ناواقف ہوتے ہیں، محض ذاتی محنت و کوشش سے چند کتابوں کا مطالعہ کر کے، تراجمِ قرآن اور تراجمِ حدیث سے استفادہ کر کے دین کے سب سے بڑے ٹھیکیدار بن جاتے ہیں، خود ساختہ طور پر دین کی تشریح و توضیح کرتے ہیں، قرآن مجید کی من مانی تفسیر کرتے ہیں، احادیث کا جس طرح چاہتے ہیں مطلب نکال کر بیان کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا)) ”اللہ علم کو بندوں سے یک بیک نہیں چھینے گا، لیکن علماء کو قبض کر کے علم کو اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں بچے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے۔ ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

[صحیح بخاری: ۱۰۰، صحیح مسلم: ۲۶۷۳]

یہ حدیث علاماتِ نبوت میں سے ہے اس میں قُربِ قیامت کی نشانیوں کی خبر دی گئی ہے کہ دھیرے دھیرے علمائے حق میں کمی آتی جائے گی اور جاہل لوگ قرآن و حدیث کا علم نہ ہونے کے باوجود امام و پیشوا اور

مفتی و قاضی بن جائیں گے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَقِلَّ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ...)) ''قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ علم کم ہوجائے گا اور جہل ظاہر ہوجائے گا۔...'' [صحیح بخاری:۸۱]

قُربِ قیامت کے وقت اہلِ علم کی کم یابی اور ان کی عدمِ موجودگی کی وجہ سے لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنا لیں گے، جو اپنی جہالت کے باوصف گمراہ کن فیصلے اور فتوے صادر کریں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس سے جاہلوں کو اپنا پیشوا بنانے اور کسی بھی شخص کے لیے علم کے بغیر فتویٰ و فیصلہ دینے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی دیگر حرمات کے ساتھ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے کو پوری شدت کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُواْ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ''کہہ دے میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے، جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کہو جو تم نہیں جانتے۔'' [سورۃ الأعراف:۳۳]

صحیح بخاری کے حوالے سے اوپر جو حدیث پیش کی گئی ہے، اسی روایت کے دوسرے طریق میں ((فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ)) کے بجائے ((فَيُفْتُونَ بِرَأْيِهِمْ)) ''سو وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے۔'' [صحیح بخاری:۷۳۰۷] کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، جس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ قرآن و حدیث کے مقابلے میں محض رائے اور قیاس سے فتویٰ دینا اور محض عقل کی بنیاد پر فیصلے کرنا حرام ہے اور اس سے گمراہی پھیلتی ہے۔ ماضی میں خوارج وغیرہ جو گمراہ فرقے وجود میں آئے اس کی ایک بنیادی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے نصوصِ کتاب و سنت کے مقابلے میں عقل و رائے کو ترجیح دینا شروع کر دیا تھا۔

کتاب و سنت کا علم رکھنے والے اور اس کے مطابق عمل کرنے والے علمائے دین کی موت کے بعد اگرچہ کتابیں موجود ہوں گی، مگر یہ بے فائدہ ہوں گی، کیوں کہ محض کتابوں کی موجودگی علم کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ مستند علماء سے ان کتابوں کو پڑھنا، سمجھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، کیوں کہ علمِ شرعی کی بقا علم و عمل

پر منحصر ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ دین کی سچی سمجھ و فقاہت حاصل کریں اور اپنے عمل و کردار کو کتاب و سنت کی روشنی میں ڈھالیں۔

آج کل انٹرنیٹ اور یوٹیوب وغیرہ پر اس طرح کے بہت سارے لوگ فتویٰ بازی کرکے فتنہ انگیزی کر رہے ہیں، جہاں ایک طرف علمائے متقدمین کو بے جا تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، وہیں علمائے متاخرین کو بھی اپنی کم علمی کے ذریعے چیلنج کرتے ہیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کے فیض یافتگان کا حلقہ بھی کافی وسیع ہوتا ہے، یہ لوگ قرآن و حدیث کا حوالہ دے کر سادہ لوح عوام کو اپنے قابو میں کرتے ہیں اور پھر جس طرح چاہتے ہیں دین کے مسائل سے آگاہ کرتے ہیں، دین میں آسانی اور سہولت کے نام پر دین کا تیا پانچہ کرتے ہیں، علمائے کرام کو برا بھلا کہتے ہیں، انھیں دقیانوسیت اور فرسودہ خیالی کا طعنہ دیتے ہیں، مختلف فیہ مسائل چھیڑ کر اس کو حل کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور سادہ لوح عوام کو بھی گمراہ کرتے ہیں، ایسے خارجی صفت مفتیوں اور گمراہ قسم کے متعالموں سے محتاط و ہوشیار رہنے اور ان سے دوری اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور عوام الناس کو چاہیے کہ اُنہی علمائے ربانین سے استفادہ کرنے کی کوشش کریں، جنھیں دینی مسائل پر گہرا درک حاصل ہو اور جن کی گرفت شرعی علوم پر مضبوط ہو۔

نیز علمائے حق کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں فتوے دیں، انہی دونوں اساسی مصدر اور فہمِ سلفِ صالحین کی روشنی میں مسائل کی وضاحت کریں اور لوگوں میں اپنی حکومت چلانے کے بجائے کتاب و سنت کی بالادستی کو قائم کریں اور اپنی مرضی چلانے کے بجائے کتاب و سنت کے احکام و تعلیمات کو عام کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنے محبوب و پسندیدہ دین دینِ اسلام پر قائم و دائم رکھے، نت نئے فتنوں سے بچائے، کتاب و سنت کا صحیح فہم عطا فرمائے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ آمین!

4 تقدیر کے بارے میں کٹ حجتی کرنے والے

تقدیر کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وجود میں آنے والے تمام اعمال و افعال و حوادث اور ساری مخلوقات کے بارے میں ازل سے مکمل علم ہے، مستقبل کے تمام امور سے وہ بخوبی واقف ہے، کون جنت میں جائے گا اور کون جہنم میں جائے گا؟ اسے معلوم ہے اور یہ ساری چیزیں اسی کے ارادہ و مشیئت سے مَعرضِ وجود میں آتی ہیں، اس نے مخلوقات کی تقدیر زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہی لکھ دیا ہے۔ [صحیح مسلم: ۲۶۵۳] اسی کے مطابق ساری چیزیں وجود میں آتی ہیں۔ در حقیقت تقدیر ایک الٰہی راز ہے، اللہ کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ ''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔'' [الزمر: ۶۲] اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كُلَّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ)) ''ہر چیز تقدیر سے ہے، حتیٰ کہ عاجزی اور ہوشیاری بھی۔'' [صحیح مسلم: ۲۶۵۵]

اللہ تعالیٰ کی لکھی تقدیر کے بارے میں بلاضرورت عقلی گھوڑے دوڑانا، بحث و مباحثہ اور کٹ حجتی کرنا بدترین لوگوں کا شیوہ ہے، کیوں کہ اس بارے میں عقلی طور پر بہت زیادہ بحث و کرید کرنے کا معاملہ اس کے انکار پر منتج ہوتا ہے، حالاں کہ یہ ایمانیات کا حصہ ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔ تقدیر کے انکار پر مشتمل گفتگو کرنا اس امت کے آخری دور کے بدترین لوگوں کا شیوہ ہے، اسی لیے اس بارے میں بحث و کرید کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم لوگ تقدیر کے بارے میں بحث و مباحثہ اور گفتگو کر رہے تھے، آپ اس قدر غصہ ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا، گویا کہ آپ کے دونوں رخساروں پر انار کے دانوں کا پانی نچوڑ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اسی بات کا حکم دیے گئے ہو یا اسی واسطے میں تمھاری طرف بھیجا گیا ہوں؟ بے شک تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہو گئیں جب انھوں نے اس مسئلے میں بحث و کرید کیا۔ میں تمھیں قسم دلاتا ہوں کہ اس بارے میں بحث و مباحثہ نہ کرو۔'' [سنن ترمذی: ۲۱۳۳، حسنہ الالبانی فی ہدایۃ الرواۃ: ۱/۹۸]

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أُخِّرَ الْكَلَامُ فِي الْقَدْرِ لِشِرَارِ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ)) ''تقدیر (کے انکار پر) مشتمل گفتگو کو پچھلے زمانوں میں میری امت کے بدترین لوگوں تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔'' [أخرجه البزار: ۹۶۷۷، والطبرانی فی المعجم الأوسط: ۵۹۰۹ واللفظ له وحسنه الألبانی فی الصحیحة: ۱۱۲۴]

ہم اس امت کے متاخرین لوگوں میں سے ہیں، اس لیے تقدیر کے بارے میں بحث و مباحثے اور کٹ حجتی کرنے سے دور رہ کر ہمیں اس نبوی پیشین گوئی کا مصداق بننے سے بچنا چاہیے۔ تقدیر کے متعلق افراط و تفریط سے کام لینے والوں کے بارے میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَا يَرِدَانِ الحَوْضَ وَلَا يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ : الْقَدَرِيَّةُ وَالْمُرْجِئَةُ)) ''میری امت کے دو طرح کے لوگ ایسے ہیں، جو حوضِ [کوثر] پر وارد نہیں ہوں گے اور نہ وہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے: قدریہ اور مرجئہ۔'' [المعجم الأوسط للطبرانی: ۴۲۱۶ دیکھیے: انوار الصحیفة ص: ۵۳۵، سلسلة الاحادیث الصحیحة: ۲۷۴۸]

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْقَدَرِيَّةُ مَجُوسُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِنْ مَرِضُوا فَلَا تَعُودُوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ))

''قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں، پس اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ فوت ہو جائیں تو ان کے جنازے میں نہ جاؤ۔'' [مسند احمد: ۵۵۸۴، ابوداود: ۴۶۹۱، سنداً یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن مختلف طرق و شواہد کی بنیاد پر حدیث صحیح ہے اور اس سے حجت پکڑنا درست ہے۔ دیکھیے: ہدایة الرواة: ۱/۱۰۳، أضواء المصابیح ص: ۱۵۵]

آگ کے پجاری مجوس دو معبودوں کے قائل ہیں: ایک خالقِ خیر جسے وہ یزداں کا نام دیتے ہیں اور دوسرا خالقِ شر جسے وہ اہرمن کہتے ہیں اور اس حدیث میں تقدیر کے منکرین، قدریہ کو اس امت کا مجوسی قرار دیا گیا ہے۔ قدریہ بھی انسانوں کو مخلوق مانتے ہوئے اللہ کو ان کا خالق مانتے ہیں، مگر انسان جو اعمال و افعال انجام دیتے ہیں اس کا خالق اللہ کے بجائے بندوں کو قرار دیتے ہیں، اس طرح گویا یہ لوگ بھی مجوسیوں کی طرح دو خالق کا تصور رکھتے ہیں، یعنی تقدیر کے منکرین دو فاعلوں کو ثابت کرنے میں مجوسیوں کی طرح ہیں نہ کہ اپنے جملہ اعتقادات و عقائد میں مجوسیوں کی طرح ہیں اور ان کا یہ عقیدہ کتاب و سنت کے منافی ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ در حقیقت اللہ تعالیٰ اکیلا ہر چیز کا خالق ہے، ہر فعل کا خالق ہے، چھوٹی بڑی تمام چیزیں اس کی مخلوق ہیں، تمام طرح کے خیر و شر اس کی مشیئت و ارادۂ کونی کے تحت انجام پاتے ہیں، اسے ہر چیز کا علم ہے، کوئی بھی

چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور اس کی ذات وصفات اور خصائص میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔ انسان جو کچھ کرتا ہے اسے اس کا اختیار ہے اور یہ اختیار بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور بندہ اپنے اس اختیار کی بنا پر نیک عمل پر ثواب دیا جائے گا اور برے عمل پر سزا دیا جائے گا اور اللہ چاہے تو گناہوں کو معاف بھی کر سکتا ہے۔ ذکر کی گئی حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ تقدیر کا انکار کرنا یا بندوں کو مجبور محض سمجھنا بہت بڑا گناہ ہے اور ایسا شخص نہ تو جنت میں داخل ہوگا اور نہ حوضِ کوثر کے پاس اس کی حاضری ہوگی اور یہ بہت بڑی محرومی کی بات ہے۔ تقدیر کے بارے میں گمراہ فرقے قدریہ اور مرجئہ کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے تاکہ تقدیر کے بارے میں پائی جانے والی ان کی گمراہی اور کٹ حجتی سے بچا جا سکے:

قدریہ: ان کی نسبت قدر کی طرف ہے، یعنی اللہ کی تقدیر کا انکار کرنے والے، ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے، خواہ وہ افعال کفریہ و شرکیہ ہوں یا معصیت و گناہ پر مشتمل ہوں یا اطاعت و بندگی اور خیر و بھلائی پر مبنی افعال ہوں۔ انھوں نے بندوں کے جملہ افعال و اعمال سے متعلق تقدیرِ الٰہی کا انکار کیا ہے۔ جب کہ کتاب و سنت کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کو اپنے افعال و اعمال پر اختیار حاصل ہے اور ان ساری چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے ہے۔

مرجئہ: "ارجاء" کی طرف منسوب ہے، جس کے معنی مؤخر کرنا یا امید دلانا کے ہیں اور انھیں مرجئہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ: ◘ یہ لوگ عمل کو نیت اور اعتقاد سے مؤخر کرتے ہیں یعنی نیت اور اعتقاد درست ہے تو عمل کی ضرورت نہیں ہے۔ ◘ ان کا یہ کہنا ہے کہ ایمان کے ساتھ معصیت کچھ بھی مضر نہیں، جیسا کہ کفر کے ساتھ اطاعت مفید نہیں۔ ◘ اور ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں، مگر انھیں چوتھے نمبر پر مؤخر کر دیا گیا۔

تقدیر کے سلسلے میں ان لوگوں نے انتہائی غلو سے کام لیا ہے، ان کا یہ عقیدہ ہے کہ بندوں کو اپنے افعال پر اختیار نہیں حاصل ہے بلکہ وہ مجبور محض ہیں، ان کے نزدیک ایمان محض دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کا نام ہے، اعمال اس میں داخل نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ایمان میں کمی بیشی کے بھی قائل نہیں ہیں اور ان کے نزدیک ایمان کے ساتھ معصیت و نافرمانی کچھ بھی نقصان دہ نہیں ہے، جس طرح کہ کفر کے ساتھ کوئی نیکی نفع بخش نہیں ہوتی، چناں چہ ان کے نزدیک کلمۂ طیبہ کا اقرار کرنے والا شخص ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا خواہ وہ کبائر کے ساتھ ساتھ کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والا ہی کیوں نہ ہو، یہ لوگ صفاتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور قیامت

کے روز دیدارِ الٰہی کے بھی منکر ہیں، جب کہ ان کے یہ سارے عقائد کتاب و سنت کے منافی ہیں اور محض عقلی موشگافیاں ہیں۔ جبریہ کا یہ کہنا کہ بندے اپنے افعال کو انجام دینے کے لیے مجبور محض ہیں اور انھیں اپنے افعال پر کوئی اختیار نہیں حاصل ہے اور قدریہ کا تقدیر کا انکار کرتے ہوئے یہ کہنا کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ نہیں ہے، بلکہ بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں اور اللہ کے ارادہ و مشیئت کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے، باطل نظریہ ہے، کیوں کہ حقیقت میں بندے خود اپنے افعال کے فاعل ہیں اور اللہ نے ان کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے جو چاہیں کریں اور یہ بھی برحق ہے کہ بندوں کے سارے افعال اللہ کے ارادہ و مشیئت سے وجود پذیر ہوتے ہیں اور اللہ ہی بندوں اور ان کے افعال کا خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ ''حالاں کہ اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔'' [الصافات:۹۶] دوسری جگہ فرمایا: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۞ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ۞ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ''یہ جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو راہ راست پر چلنا چاہے۔ اور تم نہیں چاہتے، مگر یہ کہ اللہ چاہے، جو سب جہانوں کا رب ہے۔'' [التکویر:۲۷-۲۹]

ان آیات سے جبریہ اور قدریہ دونوں کی تردید ہوتی ہے۔ اللہ کے ارادہ و مشیئت کی دو قسمیں ہیں:

① **ارادۂ کونی و قدری:** اسے مشیئت بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ کتاب و سنت میں مشیئت کا ذکر کونی اور قدری طور پر ہی آیا ہے۔ اس ارادے میں تمام وہ چیزیں شامل ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ کرنا اور وجود میں لانا چاہتا ہے اس میں خیر و شر، کفر و شرک، پسند و ناپسند اور طاعت و معصیت وغیرہ سب شامل ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا وصف ہے کہ کوئی بھی اس سے خارج نہیں ہے، چناں چہ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ ''کر گزرنے والا ہے جو چاہتا ہے۔'' [البروج:۱۶] دوسری جگہ فرمایا: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ ''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔'' [یٰسٓ:۸۲]

② **ارادۂ شرعی و دینی:** یہ ارادہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و پسند کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارادہ کا تعلق ان افعالِ خیر اور اعمالِ صالحہ سے ہے، جن کو وہ پسند فرماتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ

عَلَيْكُمْ﴾ ''اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے۔'' [النساء:۲۷]

چناں چہ کفر و معصیت کے کام اللہ تعالیٰ کے کونی ارادے کے ماتحت انجام پاتے ہیں جب کہ ان کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا شرعی ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انجام نہ پائیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اطاعت شعار بندوں کے حق میں ارادہ کی دونوں قسمیں اکٹھا ہو جاتی ہیں یعنی کونی اور شرعی ہر دو اعتبار سے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو چاہتا ہے اور گناہ گاروں کے حق میں ارادہ کی صرف ایک قسم ارادۂ کونی پائی جاتی ہے اور ارادۂ شرعی نہیں پائی جاتی ہے یعنی گناہوں کے وقوع پذیر ہونے کو کونی اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، مگر شرعی اعتبار سے نہیں چاہتا ہے یعنی کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور ارادۂ کونی کے تحت ہو رہا ہے اور تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کیا چاہتا ہے اور اس کا کیا ارادہ ہے اسے کوئی نہیں جانتا ہے، البتہ ارادۂ شرعی کے طور پر وہ جن چیزوں کو پسند فرماتا ہے اور جن سے راضی ہے ان کو بتلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل کیں اور اس سلسلے کی آخری کڑی نبینا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور آخری کتاب قرآن کریم ہے، اس لیے ہم شریعتِ اسلامیہ کے پابند ہیں۔ ارادے کی مذکورہ دونوں قسمیں آپس میں لازم و ملزوم نہیں ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ ''اگر تم ناشکری کرو تو یقیناً اللہ تم سے بہت بے پروا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمھارے لیے پسند کرے گا۔'' یعنی کفر اور ناشکری اللہ کے ارادے کے بغیر نہیں ہو سکتی، مگر وہ نہ اس پر راضی ہے نہ اسے پسند کرتا ہے۔ [الزمر:۷]

غرض کہ دنیا میں وقوع پذیر ساری چیزیں تقدیرِ الٰہی کے مطابق ہوتی ہیں، اللہ کو پہلے ہی سے ان کا علم ہے اور خیر و شر کو بھی اللہ نے پہلے ہی سے مقرر کر رکھا ہے، اسی کے مطابق وہ وجود میں آتی ہیں، ہر ایک چیز اسی کے حکم اور ارادہ و مشیئت کے تحت انجام پاتی ہیں، وہ بندوں کا اور ان کے افعال و حرکات اور دیگر ساری چیزوں کا خالق ہے۔ اسی کے ساتھ اللہ نے حق و باطل کو واضح کر کے بندوں کو اچھا یا برا کام کرنے کا اختیار دے رکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے چاہے خیر کی راہ کو چنیں یا شر کی راہ پر چل نکلیں، البتہ یہ سب اس کے ارادہ و مشیئت کے تحت ہوتی ہیں اور اسے ان سب چیزوں کا علم ہے۔ اللہ نے فرمایا:

⊙ ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ ''بے شک ہم نے اسے (ہدایت و

گمراہی کا) راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے اور خواہ کفر کرنے والا۔" [الإنسان: ۳]

⊙ ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ﴾ "اور کہہ دے یہ حق تمھارے رب کی طرف سے ہے، پھر جو چاہے سو ایمان لے آئے اور جو چاہے سو کفر کرے۔" [الکھف:۲۹]

صحیح حدیث میں بصراحت اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ لوگوں کی تقدیریں اور جنت و جہنم میں ان کے ٹھکانے لکھ دیے گئے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب ہر چیز مقدر کر دی گئی ہے اور لکھ دی گئی ہے تو کیوں نہ ہم تقدیر پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال انجام دینے کی تلقین فرمائی کہ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسے انجام دو اور جن سے روکا گیا ہے ان سے باز رہو، کیوں کہ اچھے یا بُرے عمل ہی کی وجہ سے جنت یا جہنم حاصل ہوگی۔ [صحیح بخاری: ۱۳۶۲ وغیرہ، صحیح مسلم: ۲۶۴۷] اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان اللہ کی جانب سے کوئی کام کرنے یا نہ کرنے اور اپنے ارادہ و اختیار میں خود مختار ہوتا ہے، مجبورِ محض نہیں ہوتا ہے اور انسان جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اور جو کچھ کر گزرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت و ارادے کے مطابق ہوتا ہے۔ چناں چہ ہر فرد کو تقدیر ہی کے مطابق نیکی اور بھلائی کرنے کی توفیق ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ نیک بختوں کے لیے نیک بختی کے کام کو آسان فرما دیتا ہے اور بد بختوں کے لیے بد بختی کے کام کو آسان فرما دیتا ہے۔ لہٰذا تقدیر کا سہارا بنا کر نیک اعمال نہ کرنا اور گناہوں کے کام انجام دینا اور معصیات پر تقدیر سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ کوئی بھی عمل کرنے سے پہلے انسان اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ آگے کیا کچھ ہونے والا ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لکھی تقدیر کے مطابق نیک یا برے افعال کے کرنے میں با اختیار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور کی دولتِ بے بہا سے نواز رکھا ہے اور پھر رسولوں کو مبعوث فرما کر اور کتابیں نازل کر کے نیکی و بدی کی راہوں کو واضح کر دیا ہے، اب یہ انسان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے چاہے تو اطاعتِ الٰہی کی راہ اپنا کر شکر گزار اور مومن بندہ بن جائے اور چاہے تو بدی کی راہوں کو اپنا کر کفر کرنے والا کافر بن جائے۔ اللہ رب العالمین نے اپنی روشن ہدایات کے ذریعہ جنت و جہنم میں لے جانے والی راہوں کے بیچ واضح لکیر کھینچ دی ہے اور یہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ لوگ اپنے اعمالِ صالحہ یا اعمالِ بد کی وجہ سے جنت یا جہنم میں جائیں گے، اگر چہ اللہ کے فضل و اکرام ہی کی وجہ سے آدمی کو نعمتوں والی جنت میسر ہوگی اور پھر مخلوق میں سے

کسی کو بھی تقدیرِ الٰہی کا راز معلوم نہیں ہے، اس لیے تقدیر کو حجت بنا کر اعمال کو ترک کرنا عقلاً و شرعاً کسی بھی ناحیہ سے درست نہیں ہے۔ انسان کا واجبی فریضہ یہ ہے کہ وہ حتی الامکان اوامر اور واجباتِ الٰہی کو بجا لائے اور محرمات و منہیات سے اجتناب کرے، کیوں کہ اللہ نے نیکی و بدی کو اسباب کے ساتھ مربوط کر رکھا ہے۔ یہ جائز و درست نہیں ہے کہ آدمی اپنی مرضی و اختیار سے گناہوں کو انجام دے اور نیک اعمال سے دوری اختیار کر لے اور پھر یہ حجت پکڑے کہ تقدیر میں ایسے ہی لکھا تھا، کیوں کہ کسی بھی انسان کو کوئی کام انجام دینے سے پہلے یہ پتا ہی نہیں ہوتا ہے کہ اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہوا ہے؟ اس لیے گناہوں کے ارتکاب کے بعد اللہ سے توبہ و استغفار کرنا چاہیے اور اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہونا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ نیکیوں کے کام انجام دینا چاہیے اور اللہ سے مدد و توفیق کی دعا کرنی چاہیے۔

اسی طرح بعض وہ چیزیں جنھیں اللہ رب العزت نے انسان کی مقدر میں لکھ دیا ہے اور اس میں بندے کو کوئی اختیار نہیں حاصل ہے اس پر بھی ایمان لانا اور اللہ کی لکھی تقدیر پر رضامندی و صبر کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ مثلاً انسان کے خوب صورت اور بدصورت ہونے میں، دراز قد اور پست قد ہونے میں، بیماریوں اور تکالیف میں مبتلا ہونے میں، آفاتِ ارضی و سماوی کے نزول میں اور موت و زندگی کے واقع ہونے وغیرہ میں بندوں کے ارداہ و اختیار کو دخل نہیں ہے، البتہ مختلف طرح کے مصائب و تکالیف اور آفاتِ ارضی و سماوی کا نزول کبھی بطور سزا ہوتی ہیں یعنی مکافاتِ اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں اور کبھی بطور امتحان اور آزمائش ہوتی ہیں اور اس کے ذریعہ اللہ بندوں کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ ”کوئی مصیبت نہ زمین پر پہنچتی ہے اور نہ تمھاری جانوں پر، مگر وہ ایک کتاب میں ہے، اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں۔ یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ تاکہ تم نہ اس پر غم کرو جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس پر پھول جاؤ جو وہ تمھیں عطا فرمائے اور اللہ کسی تکبر کرنے والے، بہت فخر کرنے والے سے محبت نہیں رکھتا۔“ [الحدید:۲۲-۲۳]

البتہ مصائب و تکالیف اور آفات وغیرہ پر تقدیر کو حجت بنانا جائز ہے، یعنی آدمی پر جب مصیبتیں آئیں، جو

اس کے اختیار میں نہیں ہیں تو انھیں تقدیر کے حوالے کر کے ان پر صبر و شکر سے کام لے اور جزع فزع کرنے کے بجائے یہ کہے: ''قَدَرُ اللّٰهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ'' ''اللہ نے تقدیر میں اسی طرح لکھا تھا اور جو اس نے چاہا کر دیا۔'' جیسا کہ آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان جب بحث و مباحثہ ہوا تو آدم علیہ السلام نے مصیبت پر تقدیر سے حجت پکڑا۔ [دیکھیے: صحیح بخاری: ۳۴۰۹، صحیح مسلم: ۲۶۵۲]

اسی طرح اگر کوئی شخص گناہوں کے سرزد ہو جانے کے بعد توبہ و استغفار کر لے اور دوبارہ اسے نہ کرنے کا عزم مصمم کر لے تو ایسے شخص کے لیے تقدیر سے حجت پکڑنا درست ہوگا، کیوں کہ توبۂ نصوح کے بعد آدمی اس طرح ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے وہ گناہ کیا ہی نہیں ہے، لہٰذا کسی کو توبہ و استغفار کے بعد اس کے گناہوں کی وجہ سے لعنت ملامت کرنا اور پچھلی زندگی کا حوالہ دے کر اسے بُرا بھلا کہنا درست نہیں ہوگا۔

گناہوں اور کفر و شرک پر توبہ و استغفار کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہوئے تقدیر سے استدلال کرنا اور تقدیر کا سہارا لے کر یہ کہنا کہ ایسا ہماری تقدیر میں لکھا ہے، قطعی طور پر درست نہیں ہے، بلکہ یہ کفار و مشرکین کا شیوہ و طریقہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ ''اور جن لوگوں نے (اللہ کے ساتھ) شریک بنائے انھوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی کی عبادت کرتے اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے تو رسولوں کے ذمے صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا اور کیا ہے؟'' [النحل: ۳۵]

اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم کتاب و سنت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق تقدیر پر ایمان لائیں اور اللہ پر توکل و اعتماد رکھتے ہوئے نیک اعمال انجام دیں، گناہ کے کام سرزد ہو جائیں تو اس پر جری ہونے کے بجائے اللہ سے معافی مانگیں اور قضا و قدر سے متعلق اپنی عقل سے کوئی گفتگو نہ کریں اور نہ اس سلسلے میں بہت زیادہ بحث و کرید اور کٹ حجتی سے کام لیں۔ اللہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور فکر و عمل کی گمراہیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!

✿ ✿ ❀ ✿ ✿

5 سابقہ امتوں کی پیروی کرنے والے

آج کل مسلمانوں کی اکثریت یہود و نصاریٰ، مشرکین اور دیگر سابقہ امتوں کی اندھا دھند تقلید اور ان کی مشابہت اختیار کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ چناں چہ بہت سے مسلمان بود و باش، وضع قطع، رہن سہن، عقائد و اعمال اور باہمی تعلقات و مالی معاملات وغیرہ میں یہود و نصاریٰ اور دیگر اقوام کے طریقوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اہلِ مغرب و یورپ کی جانب سے کسی بھی طرح کی نئی تہذیب و ثقافت برآمد ہوتے ہی یہ لوگ فوری طور پر اس پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ یہ ہماری تہذیب و شناخت اور ہمارے مذہب کے خلاف ہے نیز روشن خیال اور ماڈرن بننے کے لیے اپنے ایمان و عقیدے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بہت پہلے ہی یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ تم لوگ پہلی امتوں کے طریقوں کی ہو بہو پیروی کروگے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ سَلَكُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوهُ)) ”تم لوگ ضرور پہلی امتوں کے طریقوں کی پیروی بالشت در بالشت اور ہاتھ در ہاتھ کروگے حتی کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی اس میں گھسوگے۔“

صحابہ نے عرض کیا: کیا یہود و نصاریٰ کی پیروی کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کے سوا اور کون ہو سکتے ہیں؟“ [صحیح بخاری: ۳۴۵۶، صحیح مسلم: ۲۶۶۹] نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایرانیوں اور رومیوں کے طریقوں کی اتباع کی بات کہی گئی ہے۔ [صحیح بخاری: ۷۳۱۹]

نبی کریم ﷺ کی یہ پیشین گوئی آج کل کے بہت سے نام نہاد مسلمانوں پر صد فی صد حرف بہ حرف سچ ثابت ہو رہی ہے، عام طور پر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ اس طرح کے بہت سے لوگ انتہائی نامعقول باتوں میں بھی دوسری قوموں کی پیروی کر رہے ہیں، جب کہ یہ کھلی گمراہی کا باعث ہے۔ ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اس امت کے بدترین لوگ ہی دوسری قوموں کے طریقوں کی پیروی کریں گے، دوسرے لفظوں میں یہ کہیں کہ دوسری قوموں کی پیروی کرنے والے بدترین لوگ ہوں گے۔ چناں چہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَيَحْمِلَنَّ شِرَارُ هَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى سَنَنِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلِ الْكِتَابِ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ)) ”اس امت کے بدترین لوگ پہلے گزر جانے والے اہل کتاب کے طریقوں پر برابر برابر چلیں گے، جیسے تیار کیا ہوا تیر دوسرے تیر کے مطابق ہوتا ہے۔“ [مسند احمد: ۱۷۱۳۵، اس کے سلسلۂ سند میں شہر بن حوشب راوی کی وجہ سے حدیث کی تضعیف کی گئی ہے، تاہم شیخ البانی رحمہ اللہ نے مختلف شواہد کی بنیاد پر اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: سلسلة الأحاديث الصحيحة : ۳۳۱۲]

یہود و نصاریٰ اور دیگر اقوام کے طور طریقوں کو اپنانے کے عام مظاہر اور نمونوں کا مشاہدہ کرنا ہو تو مسلم سماج و معاشرے پر نظر دوڑائیں، ہر جگہ آپ کو ان کی پیروی کرنے والے اور ان کی طرزِ معاشرت کو اپنانے والے روشن خیال مسلمان افراد نظر آجائیں گے، بلکہ وہ اس بے ہودہ طرزِ معاشرت پر فخر کرتے نظر آئیں گے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے سچ کہا ہے: ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود　　　یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

جب کہ یہود و نصاریٰ اللہ کے نزدیک جزا کے اعتبار سے بدترین مخلوق ہیں، ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے، ان کی سرکشی و نافرمانی اور طاغوت کی بندگی کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان میں سے بعض لوگوں کو بندر اور بعض لوگوں کو سور بنا دیا، جیسا کہ ان کے بارے میں باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ ٱللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ ٱللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ ٱلْقِرَدَةَ وَٱلْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ ٱلطَّٰغُوتَ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ﴾ ”کہہ دو! کیا میں تمھیں اللہ کے نزدیک جزا کے اعتبار سے اس سے زیادہ برے لوگ بتاؤں، وہ جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر غصے ہوا اور جن میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیے اور جنھوں نے طاغوت کی عبادت کی۔ یہ لوگ درجے میں زیادہ برے اور سیدھے راستے سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔“ [المائدۃ: ۶۰]

مگر آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کی مت ماری گئی ہے کہ ایسے بدترین اور گمراہ لوگوں کی اتباع و پیروی اور ان کی مشابہت اختیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ آئندہ سطور میں ان کی اتباع و پیروی اور مشابہت کی چند صورتیں ذکر کی جا رہی ہیں، دیکھیں کہ کس طرح لوگ ان کی تہذیب و ثقافت اور ان کے پروپیگنڈے کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ اللہ ہی ہمارا معاون و مددگار ہے۔

❁ غور کریں کہ جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو عبادت گاہ بنائے ہوئے تھے، آج مسلمانوں کا ایک مذہبی طبقہ اسی کو اپنا دین و مذہب بنائے ہوئے ہے اور ان کے یہاں دین کے نام پر بزرگوں اور ولیوں کی قبروں اور دیگر قبات و مزاروں کی پرستش عام ہے اور مرد و خواتین کی ایک مخلوط جم غفیر وہاں شرکیہ امور انجام دیتے ہوئے نظر آرہی ہے، حالاں کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بطور خاص قبروں کو سجدہ گاہ اور میلہ کی جگہ بنانے سے پوری شدت و تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس مفہوم کی احادیث اور اس سے متعلق دیگر باتیں آپ کے مطالعے میں آچکی ہیں۔

❁ یہود و نصاریٰ اور ہنود وغیرہ کے یہاں پاپائیت اور مذہبی پیشواؤں کو اللہ کا سا درجہ دینے کی رِیت رواج عام ہے، وہ لوگ اپنے مذہبی پیشوا کو حاکم و مقتدرِ اعلیٰ سمجھتے ہیں، قرآن کریم میں بھی اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ اللہ رب العزت کے علاوہ اپنے مذہبی پیشوا اور درویشوں کو رب بنائے ہوئے تھے، چناں چہ وہ جس چیز کو حلال قرار دیتے عام لوگ بلا چوں چرا اُسے حلال تصور کرتے تھے اور جس چیز کو حرام قرار دے دیتے عوام بھی اسے حرام سمجھتی تھی، مسلم معاشرے پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت آشکارا ہوگی کہ بہت سے مسلمانوں میں بھی یہ بیماری در آئی ہے کہ وہ اپنے مذہبی پیشوا اور امام کے آگے کتاب و سنت کی واضح تعلیمات اور صریح احکام کو چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک جسارت کر بیٹھتے ہیں کہ ہمارے امام و پیر کے قول کے برخلاف کوئی بھی نص آئے گی تو اس کی تاویل کی جائے گی یا یہ کہ ہمارے پیر صاحب کی بات قرآن و حدیث کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی۔ ذرا ٹھنڈے ذہن و دماغ اور سکونِ قلب کے ساتھ غور و فکر کریں کہ آخر یہ حلت و حرمت کا کلی اختیار اماموں اور پیروں و فقیروں کو دے دینا یہود و نصاریٰ کی پیروی نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ مزید یہ کہ یہ صریح شرک کی صورت ہے۔

❁ آج یہود و نصاریٰ اور دنیا بھر کی دیگر اقوام سودی لین دین میں ملوث ہیں، وہ اسے درست مانتے ہیں اور ان کی تجارت و معیشت کا بنیادی ڈھانچہ اور اہم ستون یہی سود ہے، پورے اقوامِ عالم کو وہ اپنے اس دل فریب سودی جال میں پھانسنا چاہتے ہیں، بلکہ اکثریت کو پھانس چکے ہیں اور پوری عیاری و مکاری کے ساتھ پوری دنیا میں اس غیر فطری لین دین کی چلن کو عام کر رہے ہیں۔ آج کل مسلمانوں کی اکثریت بھی اسی حرام لین دین میں ملوث ہے، لوگ پوری بے باکی سے سودی لین دین کرتے ہیں، بلکہ بعض لوگ تو مختلف حیلوں کے ذریعہ بہت سے

سودی لین دین پر اسلام کا لبادہ چڑھا کر اسے جائز باور کراتے ہیں۔ کیا یہ دیگر اقوام کی اتباع و پیروی نہیں ہے؟

❁ پچھلی قومیں مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بٹی ہوئی تھیں اور آج بھی کئی کئی گروہ میں بٹے ہوئی ہیں اور باہم دست و گریباں اور ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہیں۔ آج مسلمانوں کا جائزہ لیں تو یہ لوگ بھی کئی گروہوں اور فرقوں میں منقسم نظر آئیں گے اور ایسے لوگ ایک دوسرے سے عداوت و دشمنی رکھنے میں تمام اخلاقی و شرعی حدود و قیود پھلانگنے میں ذرا بھی عار نہیں محسوس کرتے ہیں اور کمال یہ ہے کہ ان میں کا ہر باطل گروہ اپنے آپ کو حق کا علم بردار اور سچا سمجھتا ہے اور اپنے مقابلے میں دوسرے کو گمراہ قرار دیتا ہے، حالاں کہ یہ بالکل واضح اور صریح بات ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیمات ہی برحق ہیں اور فہمِ سلف صالحین کے مطابق ہی کتاب و سنت کی تعلیمات کو سمجھا جائے گا اور اسی پر عمل ہو گا۔

❁ اہلِ مغرب نے نہایت عیاری و مکاری کے ساتھ آزادیِ رائے اور حریتِ فکر و نظر کا پُر فریب نعرہ لگایا، جس کی چپیٹ میں آکر مستشرقین کی رَوِش کو ہمارے بہت سے نام نہاد مسلم دانش وروں نے بھی اپنایا اور نتیجتاً دینِ اسلام کی بہت سی مُسلَّمات کا انکار کر بیٹھے، صدیوں سے چلی آرہی اپنی شرعی و تہذیبی روایات کو خود ہی سبوتاژ کرنے لگے، اپنی دانشوری کا سکہ بٹھانے کے لیے بے جا طور پر ثابت شدہ صحیح حدیثوں کا انکار کر دیا اور مستشرقین ہی کے طرزِ اسلوب کو مستعار لے کر آیاتِ قرآنی کی من مانی تاویل کرنے لگے اور غیر جانب دارانہ بے لاگ تحقیق و تبصرہ کے نام پر اس طرح بے لگام ہوئے کہ اس امت کے مقدس گروہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی پھبتی کسنے سے باز نہیں رہے۔ حقیقت میں یہ سب کچھ اُنھی غیر اقوام مستشرقین وغیرہ کی اتباع و پیروی میں ہوا اور ہو رہا ہے۔

❁ آزادیِ نسواں کے نام پر جنسی بے راہ روی، عریانیت و بے حجابی اور مخلوط طرزِ معاشرت کو بہت سے مسلمانوں نے بھی اپنا لیا ہے، جو کہ اہلِ مغرب اور غیر مسلموں کا طریقہ ہے، جسے اپنا کر وہ فخر محسوس کرتے ہیں اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کو ملیا میٹ کر کے اُنھیں بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں اور ناسمجھ مسلمان بھی اس تہذیب کے ایسے رسیا و گرویدہ ہوئے کہ اپنا دین و ایمان بیچ کر حیا باختگی میں ان گمراہ اقوام سے ایک قدم اور آگے بڑھنے کے لیے تیار ہیں۔

❁ علاوہ ازیں مسلمانوں کی شادی بیاہ، رسم و رواج، عام عادات و اطوار، تجارت و معیشت اور دیگر بہت سے معاملات کو دیکھیں تو آپ پائیں گے کہ ان کے بہت سے اعمال و افعال کتاب و سنت کی تعلیمات کے مُنافی

ہیں، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان مسلمانوں کے اپنے عادات و اطوار غیر قوموں کے ہیں، جنھیں انھوں نے برضا و رغبت اپنا لیا ہے۔ جب کہ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ عام عادات و اطوار میں کسی دوسرے قوم کی مشابہت اختیار کرنے کی صورت میں باطنی طور پر بھی آدمی اُنھی جیسا ہو جاتا ہے اور یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ ایسا شخص دھیرے دھیرے مکمل طور پر اُنھی غیر اقوام کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، اسی لیے غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) ”جس کسی نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ اُنھی میں سے ہے۔“ [سنن ابوداود: ۴۰۳۱، ارواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل: ۱۲۶۹/حسن صحیح]

اس حدیث کی عمومیت سے معلوم ہوا کہ کسی بھی طرح سے غیر مسلموں کے خاص عادات و اطوار، آداب و رسومات، افکار و نظریات، رہن سہن اور عقائد و عبادات وغیرہ کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے اور جو کوئی ان کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار بھی اُنھی لوگوں میں ہو گا۔ تاہم کوئی ایسا عمل جو اتفاقیہ طور پر غیروں کی مشابہت اختیار کرلے یا کسی طرح کی صنعت و حرفت کا معاملہ ہو تو اس میں ان کے ساتھ حرام مشابہت لازم نہیں آئے گی۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مسلمانوں کے سبھی افراد غیر مسلموں کی اتباع و پیروی کرنے والے اور ان کی مشابہت اختیار کرنے والے نہیں ہیں، لہٰذا ایسے نیکوکاروں کی مصاحبت و مشابہت اختیار کریں۔ نبوی فرمان و پیشین گوئی کے مطابق مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی بھی موجود ہوگی، جو قُربِ قیامت تک حق پر قائم رہے گی اور یہ جماعت دوسری قوموں کی پیروی کرنے کے بجائے دینِ اسلام پر کاربند رہے گی، دشمن کی چال و مخالفت ان کا بال بیکا نہیں کر پائے گی اور شیطان انھیں راہِ حق سے بھٹکا نہیں پائے گا۔ جناب عبدالرحمان بن شمامہ مہری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں مَسلمہ بن مُخلد رحمہ اللہ کے پاس تھا اور ان کے پاس عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما تھے، انھوں نے کہا: قیامت بدترین مخلوق پر قائم ہوگی اور وہ جاہلیت والوں سے بدتر ہوں گے، وہ اللہ سے جو مانگیں گے اللہ اُنھیں دے دے گا۔ ہم لوگ اسی حال میں تھے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ آ گئے، ان سے مَسلمہ نے عرض کیا: اے عقبہ! آپ سنیے کہ عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں؟ عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور رہا میں تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِن أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى أَمْرِ اللهِ، قَاهِرِينَ لِعَدُوِّهِمْ، لَا يَضُرُّهُمْ مَن

خَالَفَهُمْ، حتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ علَى ذَلِكَ)) ”میری امت کی ایک جماعت مسلسل اللہ کے حکم پر لڑتی رہے گی، اپنے دشمن پر غالب رہے گی، مخالفت کرنے والے انھیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔“ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں! (ایسے ہی فرمانِ نبوی ہے، مگر) پھر اللہ ایک مشک کی سی خوشبو والی ہوا بھیجے گا، جو ریشم کی طرح بدن پر لگے گی، وہ کسی بھی ایسے شخص کو نہیں چھوڑے گی جس کے دل میں ایک دانے برابر بھی ایمان ہوگا، مگر اس کو مار دے گی، پھر بدترین لوگ باقی بچیں گے اور اُنھی پر قیامت قائم ہوگی۔ [صحیح مسلم: ۱۹۲۴]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت بدترین مخلوق کفر کرنے والوں پر قائم ہوگی اور یہ کفر کرنے والے زمانۂ جاہلیت کے کفار سے بھی بدترین ہوں گے۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ اس امت کا ایک گروہ یا ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، اللہ تعالیٰ کی مدد و معاونت اسے حاصل ہوگی، وہ اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی اور مخالفین اس کا بال بیکا نہیں کر پائیں گے، بلکہ خود ان کے مخالفین کو شکست و ہزیمت اٹھانی پڑے گی۔ یہ نجات یافتہ گروہ و جماعت قُربِ قیامت تک باقی رہے گی، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا یعنی اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنے سے پہلے ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا، جس کے ذریعہ تمام مؤمنین کی روحوں کو قبض کر لیا جائے گا حتیٰ کہ جن کے دلوں میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا ان کی روح بھی قبض کر لی جائے گی اور صرف انتہائی بدترین لوگ باقی بچیں گے۔

نجات یافتہ گروہ سے مراد کون لوگ ہیں اور ان کا وجود کہاں ہوگا؟ اس سلسلے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے، لیکن متعدّد صحیح احادیث میں ان کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں یقینی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ لوگ دنیا کے مختلف خطوں اور جگہوں میں ہوں گے اور ان کا منہج و عمل ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ کے مطابق ہوگا، ان کے عقائد و اعمال اور عبادات و معاملات کتاب و سنت کے عین مطابق ہوں گے، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے اور سلفِ صالحین یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج و نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں گے۔

اے اللہ! ہمیں دینِ حق پر قائم و دائم رکھ، شیطان کی فریب کاریوں کا شکار ہونے سے بچا لے اور ہمیں نجات پانے والی جماعت میں شامل فرما لے۔ آمین!

✿ ✿ ❁ ✿ ✿

6 اللہ کی کتاب کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنانے والے

انبیاء ورسل کے بعد روئے زمین کے سب سے افضل لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم کو پڑھنے اور پڑھانے والے ہیں بشرط یہ کہ ان کے اندر تقویٰ وصالحیت پائی جائے، کیوں کہ ایسے لوگ سب سے بہترین کلام کے پڑھنے، پڑھانے اور اس میں غور وتدبر کرنے میں مشغول رہتے ہیں، اسی لیے دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں ان کا مقام نہایت بلند ہوگا۔ اس کتاب کے پڑھنے سے اس کے ہر ہر حرف پر دس نیکی ملتی ہے، جس مجلس میں اس کو پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے، اس مجلس کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، وہاں سکینت کا نزول ہوتا ہے، رحمتِ الٰہی انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ رب العالمین ایسے لوگوں کا تذکرہ اپنے مقرب فرشتوں میں کرتا ہے۔ قرآن کریم کو پڑھنے میں اگر کسی آدمی کو دقت وپریشانی ہوتی ہے اور وہ اٹک اٹک کر پڑھتا ہے تب بھی وہ اس پر اجر سے نوازا جاتا ہے اور روزِ قیامت یہ قرآن اپنے پڑھنے والوں کے حق میں سفارش کرے گا اور اس کی سفارش قبول بھی کی جائے گی۔ یہ سارے حقائق صحیح احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت، تعلیم وتعلم اور اس کی درس وتدریس کے لیے حسنِ نیت اور اللہ رب العالمین کی رضا وخوش نودی کو سامنے رکھنا اور اس کا اہتمام کرنا ضروری ہے، مذکورہ فضائل کو ہم اسی وقت حاصل کرسکتے ہیں جب ہم اس لازمی شرط کو پورا کریں گے اور جب اس کے پیچھے دنیاوی متاع کا حصول نہیں ہوگا۔ چناں چہ تعلیمِ قرآن سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ عادت تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند قرآنی آیات سیکھتے اور پھر اس پر عمل کرتے، اس طرح وہ علم اور عمل دونوں سے ایک ساتھ بہرہ ور ہوتے تھے۔ جناب ابو عبد الرحمان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اصحاب نے ہمیں قرآن پڑھایا ان کا بیان ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیات پڑھ لیتے تو آگے کی دس آیات اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے جب تک کہ اس میں موجود علم وعمل کو حاصل نہیں کر لیتے تھے۔ ان کا بیان ہے: ''فَعَلِمْنَا الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ'' ''اس طرح ہم نے علم وعمل کو بیک وقت سیکھا۔'' [مسند احمد: ۲۳۴۸۲، مسند احمد کے محققین نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔]

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم سے جو کچھ سیکھتے تھے اسے عملی جامہ پہناتے تھے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو دین وشریعت کے نام سے دھوکا تو دیتے ہی ہیں، وہیں

سب سے بہترین اور نفع بخش کلام قرآن کریم کو بھی ناجائز طور پر کھانے کمانے کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں، حدیث میں ایسے لوگوں کو بدترین مخلوق قرار دیا گیا ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے پیٹھ لگائے خطبہ دے رہے تھے، اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ وَشَرِّ النَّاسِ؟ إِنَّ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ رَجُلًا عَمِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَلَى ظَهْرِ فَرَسِهِ، أَوْ عَلَى ظَهْرِ بَعِيرِهِ، أَوْ عَلَى قَدَمِهِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمَوْتُ، وَإِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ رَجُلًا فَاجِرًا جَرِيئًا يَقْرَأُ كِتَابَ اللَّهِ، لَا يَرْعَوِي إِلَى شَيْءٍ مِنْهُ)) "کیا میں تمھیں اچھے اور بُرے لوگوں کی پہچان نہ بتاؤں؟ لوگوں میں بہترین آدمی وہ ہے جو اللہ کی راہ میں گھوڑے یا اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہو کر یا اپنے قدموں پر چل کر کام کرے یہاں تک کہ اس کی موت آجائے۔ اور لوگوں میں بُرا آدمی وہ فاجر نڈر شخص ہے، جو اللہ کی کتاب تو پڑھتا ہے، لیکن کتاب اللہ کی کسی چیز کا خیال نہیں کرتا۔" [سنن نسائی: ۳۱۰۶، مسند احمد: ۱۱۳۱۹، ۱۱۳۷۴، ۱۱۵۴۹، اس کی سند ضعیف ہے، لیکن شواہد کی بنیاد پر حدیث حسن ہے۔]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((...وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةٌ: مُؤْمِنٌ، وَمُنَافِقٌ، وَفَاجِرٌ)) "...اور قرآن کو تین طرح کے لوگ پڑھتے ہیں: مومن، منافق اور فاجر۔" [مسند احمد: ۱۱۳۴۰]

اس حدیث کے راوی ولید بن قیس رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث میں موجود تینوں افراد کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے: {الْمُنَافِقُ كَافِرٌ بِهِ، وَالْفَاجِرُ يَتَأَكَّلُ بِهِ، وَالْمُؤْمِنُ يُؤْمِنُ بِهِ} "منافق وہ ہے جو اس کا کفر کرتا ہے، فاجر وہ ہے جو اس کے ذریعہ کھاتا ہے اور مومن وہ ہے جو اس پر ایمان لاتا ہے۔" [مسند احمد تحت الحدیث: ۱۱۳۴۰]

معلوم ہوا کہ اوپر کی حدیث میں جسے لوگوں میں بُرا شخص قرار دیا گیا ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآنی احکام کی پروا نہیں کرتے ہیں اور اسے کھانے کمانے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ چناں چہ ہمارے معاشرے میں بہت سے ڈواڑی قسم کے لوگ اسی کو اپنا کاروبار بنا لیے ہیں، اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کے بجائے اسے عملیات کی کتاب بنا لیے ہیں اور جاہل عوام کو دھوکا دے کر خوب پیسہ اینٹھتے ہیں، یہی ان کا پیشہ ہے، پوری جرأت و بے باکی کے ساتھ قرآنی احکام کی نافرمانی کرتے ہیں اور اس کی من مانی تاویل بھی کرتے ہیں اور جاہل عوام سے پیسہ لے کر قرآن کے نام پر شرکیہ تعویذ دیتے ہیں۔ اس وقت قرآن کریم کے توسط سے کھانے کمانے کا ایک ذریعہ رشوت لے کر غلط فتویٰ دینا بھی ہے، یہ بہت زیادہ عام تو نہیں ہے، مگر بعض ناعاقبت اندیش مولوی

نما لوگ اس طرح بھی آیات الٰہی کو معمولی دنیوی متاع کے لیے بیچتے ہیں، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو قرآن کریم کو پڑھنے اور سیکھنے کا حکم دیتے ہوئے اسے کھانے کمانے کا ذریعہ بنانے سے روکا ہے۔

عبدالرحمان بن شبل انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ، فَإِذَا عَلِمْتُمُوهُ فَلَا تَغْلُوا فِيهِ، وَلَا تَجْفُوا عَنْهُ، وَلَا تَأْكُلُوا بِهِ، وَلَا تَسْتَكْثِرُوا بِهِ)) ”قرآن کی تعلیم حاصل کرو اور جب اسے سیکھ لو تو اس کے بارے میں غلو نہ کرو، اس سے دوری نہ بناؤ، اسے کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ اور نہ اس کے ذریعہ مال کی کثرت طلب کرو۔“

[مسند أحمد : ١٥٦٦٦، ١٥٦٧٠/حديث صحيح، وهذا إسناد قوي، شعيب الأرنؤوط]

جو لوگ محض دنیا طلبی کے لیے علم شرعی کو حاصل کرتے ہیں ان کے لیے بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) يَعْنِي: رِيحَهَا. ”جس نے اللہ کی رضا مندی والا علم اس غرض سے حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ دنیا حاصل کرے تو ایسا آدمی قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا۔“ [سنن ابوداود: ٣٦٦٤، سنن ابن ماجہ: ٢٥٢، مسند احمد: ٨٤٥٧/صحیح]

جو لوگ قرآن کریم کو کھانے کمانے اور شہرت طلبی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں، اس کی غلط تاویل کرتے ہیں اور محض شکم پروری کے لیے تصنع کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے ہیں، انھیں خوف کھانا چاہیے کہ کہیں وہ اُس حدیث کا مصداق تو نہیں بن رہے ہیں، جو عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ أَكْثَرَ مُنَافِقِي أُمَّتِي قُرَّاؤُهَا)) ”بے شک میری امت کے زیادہ تر منافق ان کے قراء ہوں گے۔“ [مسند احمد: ٦٦٣٣، ٦٦٣٤، ١٧٤١١/صحیح]

قرآن کریم کی تعلیم و تعلم کو جو لوگ شہرت اور دنیا طلبی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں، انھیں ان کے اس جدوجہد اور جاں فشانی پر کسی طرح کا اجر و ثواب نہیں ملے گا، بلکہ الٹا ان کا یہ عمل ان کے لیے موجبِ سزا ثابت ہوگا، کیوں کہ یہ عملی نفاق ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”روزِ قیامت سب سے پہلے شہید کا فیصلہ سنایا جائے گا، اسے پیش کیا جائے گا، تو اللہ اسے اپنی نعمتیں یاد

کرائے گا اور وہ ان کا اعتراف کرے گا، پھر اللہ فرمائے گا: تو نے ان کے بدلے میں کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا: میں نے تیری خاطر جہاد کیا حتیٰ کہ مجھے شہید کر دیا گیا، اللہ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا، کیوں کہ تو نے دادِ شجاعت حاصل کرنے کے لیے جہاد کیا تھا، پس وہ کہہ دیا گیا۔ پھر اس کے متعلق حکم دیا جائے گا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ دوسرا شخص جس نے علم حاصل کیا اور اسے دوسروں کو سکھایا اور قرآن کریم کی تلاوت کی، اسے بھی پیش کیا جائے گا، تو اللہ اسے اپنی نعمتیں یاد کرائے گا اور وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ اللہ پوچھے گا کہ تو نے ان کے بدلے میں کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا: میں نے علم سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کی خاطر میں قرآن کی تلاوت کرتا رہا، اللہ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا، البتہ تو نے علم اس لیے حاصل کیا تھا کہ تمھیں عالم کہا جائے اور قرآن پڑھا تا کہ تمھیں قاری کہا جائے، وہ کہہ دیا گیا، پھر اس کے متعلق حکم دیا جائے گا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور تیسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال و زر کی جملہ اقسام سے خوب نوازا ہو گا، اسے پیش کیا جائے گا، اللہ اسے اپنی نعمتیں یاد کرائے گا، وہ انھیں پہچان لے گا، تو اللہ پوچھے گا: تو نے ان کے بدلے میں کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا: میں نے ان تمام جگہوں میں جہاں خرچ کرنا تجھے پسند تھا، خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا، تو نے تو اس لیے خرچ کیا کہ تجھے بڑا سخی کہا جائے، پس وہ کہہ دیا گیا، پھر اس کے متعلق حکم دیا جائے گا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔" [صحیح مسلم:۱۹۰۵]

مذکورہ بالا حدیثِ نبوی میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا حساب کتاب ہو گا وہ تین طرح کے لوگ ہوں گے: دکھاوے کے لیے علم حاصل کرنے والے اور قرآن پڑھنے والے، دکھاوے کے لیے جہاد کرنے والے اور دکھاوے کے لیے صدقہ کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ اس کو تسلیم کریں گے اور پھر انھیں اللہ کے حکم سے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنا واجب ہے اور اُخروی نجات کے لیے صرف ظاہری عمل کافی نہیں ہے، بلکہ موافقتِ شریعت کے ساتھ ساتھ اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی از حد ضروری ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ "اور انھیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت

کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔“ [البينة : ٥]

چناں چہ احادیث میں جہاد اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی فضیلت، علم اور علماء کی تعریف و ستائش قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی فضیلت نیز امورِ خیر میں خرچ کرنے والوں کی فضیلت سے متعلق جو عمومی بیانات وارد ہوئے ہیں، وہ سب کے سب ان افراد پر محمول ہوں گے، جو اللہ کی رضا جوئی اور خلوصِ نیت کے ساتھ عمل کو انجام دیتے ہیں۔

چوں کہ شہرت کے دلدادہ ریاکاری کرنے والے لوگ اعمال کی جزا لوگوں کی تعریف کے ذریعہ دنیا ہی میں حاصل کر لیتے ہیں، اس لیے آخرت میں سوائے عذاب کے اور کوئی بدلہ ان کے لیے نہیں ہوگا۔ یہاں یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ اگر لوگ ریاکار کی تعریف کریں گے تبھی اس کے اعمال برباد ہوں گے اور اسے عذاب دیا جائے گا بلکہ اعمال کی بربادی کا تعلق نیت کی خرابی سے ہے اگر دکھاوے کی نیت سے کوئی عمل کیا جائے گا تو وہ ناقابلِ قبول ہونے کے ساتھ ساتھ لائقِ سزا بھی ہوگا خواہ دنیا میں لوگوں کی جانب سے اسے پذیرائی ملی ہو یا نہ ملی ہو، لیکن اگر نیت کی درستی کے ساتھ کوئی عمل انجام دیا جائے اور لوگ اس کی تعریف کریں اور اسے خوب پذیرائی ملے تو یہ نقصان دہ نہیں ہے، بلکہ مخلوقِ الٰہی کی یہ گواہی مقبولیت اور رفعِ درجات کا باعث ہوگی۔

مذکورہ بالا حدیثِ نبوی کو جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شُفَيًّا أَصْبَحِي سے بیان فرمایا تو بیان کرنے سے پہلے ہی شدتِ خوف کی وجہ سے کئی بار زور سے چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے اور شفیا اصبحی نے جب یہ حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو وہ بھی یہ کہہ کر ”ان تینوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا تو باقی لوگوں کے ساتھ کیا ہوگا۔“ زار و قطار رونے لگے، پھر جب افاقہ ہوا تو انھوں نے اپنے چہرے کو صاف کیا اور فرمایا: یقیناً اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے اور اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۞ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”جو کوئی دنیاوی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہو ہم انھیں ان کے اعمال کا بدلہ اسی (دنیا) میں پورا دے دیں گے اور اس (دنیا) میں ان سے کمی نہ کی جائے گی۔ یہی لوگ ہیں

جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور برباد ہو گیا جو کچھ انھوں نے اس میں کیا اور بے کار ہے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔" [ھود:۱۵-۱۶، واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے: سنن ترمذی:۲۳۸۲/صحیح]

اس پورے واقعے اور قرآن کریم کی آیتِ کریمہ سے ریاکاری کا اندازہ لگائیے کہ یہ کتنا سنگین جرم ہے اور ہمارے سلفِ صالحین کس قدر اس سے خوف زدہ رہا کرتے تھے۔ ذرا غور کریں! کہ ریاکاری و شہرت طلبی کی وجہ سے نہ صرف اعمال اکارت جائیں گے بلکہ الٹا عذاب و عقاب کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ سوچیں اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں! روزِ قیامت کتنی بڑی ذلت اور محرومی کا سامنا کرنا ہوگا!!

یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ قرآن کریم کی تعلیم و تعلم پر اجرت لینا بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ مذکورہ باتوں کا تعلق تعلیمِ قرآن کی اجرت لینے سے نہیں ہے۔ بلاشبہ تعلیمِ قرآن پر اجرت لینا درست اور جائز ہے، یہ اجرت کسی غلط کام پر نہیں لیا جاتا ہے، بلکہ ایک نہایت پاکیزہ کام پر لیا جاتا ہے اور اس کام کے لیے اجرت لینے کا ثبوت بھی احادیث میں موجود ہے۔ چناں چہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ)) "جس چیز پر تم اجرت لو اس میں سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے۔" [صحیح بخاری:۵۷۳۷]

اسی طرح سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سورتوں کی تعلیم کے عوض میں اپنے ایک صحابی سے ایک خاتون کا نکاح فرما دیا تھا اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم اسے قرآن سکھا دینا۔ [صحیح بخاری:۵۱۴۹، صحیح مسلم:۱۴۲۵] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیمِ قرآن کو مہر کا بدل قرار فرمایا۔

آئیے ہم عہد کریں کہ ہم قرآن کریم کی تلاوت کریں گے، اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے، اس کے احکام کو اپنی زندگی میں نافذ کریں گے، اسے حرزِ جاں بنائیں گے، اس کے معانی و مفاہیم پر غور و فکر کریں گے، اسے خود بھی سیکھیں گے اور دوسروں کو بھی سکھائیں گے، اسے کھانے کمانے کا ذریعہ نہیں بنائیں گے، اس سے ہدایت اور روشنی حاصل کریں گے اور اسے تعویذ و عملیات کی کتاب نہیں بنائیں گے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین!

7 بدزبانی اور فحش کلامی کرنے والے

یوں توانسانی جسم کے سبھی اعضاء بڑے معزز و مکرم ہیں اور اپنی جگہ پر نہایت مناسب و پرفیکٹ ہیں کہ اگر ان میں کوئی ظاہری کمی ہو جائے تو عیب دار ہو جائیں گے، جب کہ معنوی طور پر خود ہی انسان اپنے اعضاء کو عیب دار کرلیتا ہے اور اس عیب کا احساس بھی نہیں کرتا ہے، تاہم تمام انسانی اعضاء میں زبان کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس کی وجہ سے آدمی بڑے بڑے معرکے سر کر سکتا ہے اور بگڑے معاملات کو اپنی میٹھی زبان کے ذریعہ سلجھا سکتا ہے، اس کے بہتر استعمال سے اس کی اُخروی زندگی سنور سکتی ہے اور غلط استعمال نیز کنٹرول میں نہ رکھنے کی صورت میں اُخروی زندگی تباہ بھی ہو سکتی ہے۔ حقیقی مسلمان وہی ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور وہ کسی کی ایذارسانی کا سبب نہ بنے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ)) ''(کامل) مسلمان وہی ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' [صحیح بخاری:۱۰، صحیح مسلم:۴۱]

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ نجات کس چیز میں ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

((امْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ)) ''اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھو، اپنے گھر کو کافی سمجھو اور اپنے گناہوں پر روتے رہو۔'' [سنن ترمذی:۲۴۰۶، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ:۸۸۸]

معلوم یہ ہوا کہ زبان کی حفاظت کرنا نیز گالی و گلوج، بے ہودہ گوئی، لعن طعن، فحش کلامی اور زبان درازی سے پرہیز کرنا ایک صاحبِ ایمان شخص کے لیے بہت ضروری ہے۔ یاد رہے ہماری زبان سے جو بھی بات اور جو کوئی لفظ ادا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے معزز فرشتے اس کا ریکارڈ تیار کرتے رہتے ہیں، جب کہ پہلے ہی سے اللہ کو اس کا علم ہے۔ ہمیں اپنی زبان سے ادا کی ہوئی چھوٹی بڑی تمام باتوں کا ایک دن حساب دینا ہوگا۔ اللہ نے فرمایا:

﴿مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ ''وہ یعنی انسان کوئی بھی بات نہیں بولتا، مگر اس کے پاس ایک تیار نگراں ہوتا ہے۔'' [ق:۱۸]

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو

مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور کردے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ایک بہت بڑی بات کے متعلق سوال کیا ہے، لیکن وہ ایسے شخص کے لیے آسان ہے، جس پر اللہ اسے آسان فرمادے، تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔'' پھر فرمایا: ''کیا میں تمھیں خیر کے دروازوں کے متعلق نہ بتاؤں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو ایسے مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور دورانِ رات آدمی کا نماز پڑھنا (گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔)'' پھر آپ ﷺ نے (سورۂ سجدہ کی آیتِ کریمہ) ﴿تَتَجَافَى﴾ سے ﴿يَعْمَلُونَ﴾ تک تلاوت فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں دین کی بنیاد، اس کے ستون اور اس کی چوٹی کے بارے میں نہ بتاؤں؟'' میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دین کی بنیاد اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کی چوٹی جہاد ہے۔'' پھر فرمایا: ''کیا میں تمھیں ان سب سے بڑی چیز کے بارے میں نہ بتاؤں؟'' میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، ضرور بتائیں اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا: ''اسے روک لو۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم زبان سے جو کلام کرتے ہیں کیا اس پر ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''معاذ! تیری ماں تجھے گم پائے، لوگوں کو ان کی زبانوں کی کاشت ہی ان کے چہروں یا نتھنوں کے بل جہنم میں گرائے گی۔'' [سنن ترمذی: ۲۶۱۶، ہدایۃ الرواۃ: ۱/۷۱، مسند احمد کے محققین نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: مسند احمد مع التحقیق ۳۶/۳۴۵]

آپ اس حدیثِ مبارکہ پر غور فرمائیں! نبی کریم ﷺ نے تمام باتوں کو بیان کرنے کے بعد سب سے آخر میں یہ واضح فرمایا کہ امورِ خیر کی جڑ زبان کی حفاظت ہے، کیوں کہ روزہ و صدقہ اور تہجد وغیرہ کا ثواب اسی وقت ملے گا جب زبان کو گالی و گلوج، بے ہودہ گوئی، ایذا رسانی اور لایعنی و بے کار کی باتوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔ جب کہ بہتیرے لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کترنی زبان کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں، جو نامۂ اعمال کو خوب خوب سیاہ کرتی ہے اور منھ کے بل جہنم میں ڈالے جانے کا سبب بنتی ہے، لہٰذا ہر مسلمان مرد و عورت کو ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے کہ کہیں اس کے کیے ہوئے اعمالِ صالحہ زبان کی بے لگامی کی وجہ سے ضائع تو نہیں ہو رہے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اسی زبان کے بے جا اور غیر محتاط استعمال کی وجہ سے سارے نیک اعمال ضائع اور برباد ہو جائیں اور زبان کی یہ بے لگامی جہنم میں جانے کا سبب بن جائے۔

زبان کو قابو میں رکھنا، بہت زیادہ بولنے اور ہر طرح کی بے ہودہ گوئی سے پرہیز کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے شرم گاہ اور زبان کی حفاظت کرنے والوں کو جنت کی بشارت و ضمانت دی ہے۔ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَوَكَّلَ لِي مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ، وَمَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ، تَوَكَّلْتُ لَهُ بِالْجَنَّةِ)) ”جو شخص مجھے اپنے دونوں پاؤں کے درمیان کی چیز یعنی شرم گاہ کی اور اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز یعنی زبان کی ضمانت دے دے تو میں اسے جنت میں جانے کی ضمانت دیتا ہوں۔“ [صحیح بخاری: ۶۸۰۷، ۶۴۷۴]

اس حدیث میں شرم گاہ اور زبان کی حفاظت کرنے والوں کو نبی کریم ﷺ نے دخولِ جنت کی ضمانت دی ہے۔ اس طرح کی عظیم شرف و فضیلت کے باوجود بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے سماج و معاشرے میں بہت سے لوگ زبان اور گفتگو کے بارے میں بڑے بے احتیاط اور بے لگام ہوتے ہیں۔ ذرا سی کوئی بات ان کی طبعِ نازک کے خلاف ہوئی فوراً گالی گلوج پر اتر آتے ہیں، مُغلَّظات اور فحش کلامی کی بھرمار شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی عام عادت تو یہ ہوتی ہے کہ معاشرے کے عام افراد کو اپنی زبان درازی سے تنگ کیے رہتے ہیں، لوگ ان سے بات کرنا گوارا نہیں کرتے یا ان سے بات کرنے کی سکت نہیں رکھتے، بلکہ ان کی محض اسی زبان درازی کی وجہ سے بظاہر ان کی عزت و توقیر کرتے ہیں اور حق پر ہونے کے باوجود ان سے اختلاف کرنے سے ڈرتے ہیں، اُن کی خلافِ شرع باتوں پر ٹوکنے کی خود میں سکت نہیں پاتے، بلکہ محض اُن کی بدزبانی کی وجہ سے اُن سے دوری بنائے رکھتے ہیں۔ ایسے بہت سے لوگ ہمارے سماج و معاشرے میں مل جائیں گے، جو محض اپنی تیز زبانی اور بدکلامی کی وجہ سے لوگوں پر اپنا دھونس جماتے ہیں، لوگوں پر اپنی فوقیت و برتری ثابت کرتے ہیں اور عام لوگ ان کی بدزبانی ہی کی وجہ سے انھیں منھ لگانا نہیں چاہتے۔ غرض کہ ہمارے سماج و معاشرے میں زبان کا غلط استعمال اور بدزبانی عام ہے۔ آپ خود سوچیں کہ کیا یہ رویہ درست ہو سکتا ہے؟ اور زبان کی یہ بے لگامی عقل و فطرت اور شریعت کے مطابق ہو سکتی ہے؟ انسان کو تو ایسا ہونا چاہیے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی میٹھی زبان سے موہ لے اور زبان سے کوئی ایسا لفظ اور کلمہ نہ نکالے جس سے عام لوگوں کو تکلیف پہنچے اور اس کی کہی ہوئی بات پر خود اس کی باز پرس اور شدید پکڑ ہو۔ جو لوگ زبان کے بے لگام ہوتے ہیں، اناپ شناپ بکتے رہتے ہیں اور لوگ اُن کی بدزبانی کی وجہ سے اُن سے دور بھاگتے ہیں تو جان لیجیے کہ یہ انتہائی بدترین

لوگ ہیں اور روزِ قیامت بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرے لوگ ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کو بدترین اور سب سے بُرا شخص قرار دیا ہے، جن کی زبان درازی کی وجہ سے لوگ ان سے بات کرنا اور ملنا چھوڑ دیں اور انھیں یہ خوف دامن گیر ہو کہ ان سے ملنے کی وجہ سے وہ ان کی بدزبانی سے محفوظ نہیں رہ پائیں گے۔ جناب عروہ بن زبیر نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ انھوں نے بیان کیا: ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ائْذَنُوا لَهُ، بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ، أَوِ ابْنُ الْعَشِيرَةِ)) "اسے اجازت دے دو، یہ اپنے قبیلے کا بُرا بھائی ہے یا اپنے قبیلے کا بُرا بیٹا ہے۔" جب وہ شخص اندر داخل ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی۔ (وہ کہتی ہیں) میں نے عرض کیا: اے اللہ رسول! آپ کو جو کچھ اس کے بارے میں کہنا تھا آپ نے کہا اور پھر آپ نے اس کے ساتھ نرم گفتگو کی؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَيْ عَائِشَةُ! إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ –أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ– اتِّقَاءَ فُحْشِهِ)) "اے عائشہ! بے شک لوگوں میں وہ آدمی سب سے بُرا ہے، جسے لوگ اس کی بدکلامی کے ڈر سے چھوڑ دیں یا اس سے دور رہیں۔" [صحیح بخاری: ۶۰۵۴، صحیح مسلم: ۲۵۹۱]

اور صحیح بخاری وغیرہ کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ! مَتَى عَهِدْتِنِي فَحَّاشًا، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهِ)) "اے عائشہ! تم نے مجھے بدزبان کب پایا؟ بے شک قیامت کے دن اللہ کے نزدیک وہ شخص سب سے بُرا ہو گا، جس کو لوگ اس کے شر کے ڈر سے چھوڑ دیں۔" [صحیح بخاری: ۶۰۳۲]

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی خوش اخلاقی اور بلند کرداری کا اندازہ لگائیے کہ آپ نے بدزبان و بدخُلق شخص کے ساتھ بھی خوش اخلاقی سے ملاقات کی اور اس سے نرم گفتگو فرما کر اس کی مدارات فرمائی اور پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کی خبر دی کہ وہ لوگ سب سے بُرے ہیں، جن کی زبان درازی اور فحش کلامی کے ڈر سے لوگ ان سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا ترک کر دیں اور ان سے دوری بنائے رکھیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص علانیہ فسق و فجور کا مرتکب ہو اور بُرے کردار کا حامل ہو تو ایسے شخص کی بُری صفت کو اجاگر کرنا جائز ہے تاکہ لوگ اس کی ظاہری حالت کو دیکھ کر دھوکا نہ کھائیں اور اس کی زبان کی دامِ تزویر میں نہ پھنسیں اور اس کے اندر پائی جانے والی بُرائی کی سنگینی بھی لوگوں پر واضح ہو سکے۔ ایسے شخص کے ساتھ نرمی و مدارات کرنا بھی درست ہے، بس شرط یہ ہے

کہ دین میں مُداہنت نہ کی جائے اور دنیاوی حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے دینی تقاضوں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

رسول کریم ﷺ نے اپنے بلند کردار کے ذریعہ ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ بدزبانوں سے بھی بدزبانی کرنے سے بچا جائے، مگر افسوس کہ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی، اپنی زبانوں پر لگام نہیں دیتے ہیں اور جو کچھ جی میں آتا ہے زبان سے بک جاتے ہیں، زہریلی زبان سے تیر کے نشتر چلاتے ہیں اور بک بک کرنا اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں، بلکہ لوگوں پر دھونس جمانے کے لیے بھی زبان درازی سے کام لیتے ہیں، اپنے ماتحتوں کو محض اپنی کاٹ دار زبان کی وجہ سے عزت کرنے کے لیے مجبور رکھتے ہیں اور لوگ بھی محض ان کی بدزبانی سے بچنے کے لیے ان سے پہلوتہی اختیار کر لیتے ہیں یا دکھاوے کی خاطر ان کی عزت وتوقیر کرتے ہیں۔ یقین مانیں اللہ کے نزدیک رتبے کی حیثیت سے ایسے لوگ نہایت بُرے ہیں اور قیامت کے دن بھی وہ لوگ سب سے بُرے ہوں گے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ الَّذِينَ يُكْرَمُونَ اتِّقَاءَ أَلْسِنَتِهِمْ)) ”بے شک لوگوں میں سب سے برے لوگ وہ ہیں، جن کی تکریم محض ان کی زبانوں سے بچنے کے لیے کیا جائے۔“ اور مسند احمد وغیرہ کی روایت میں ہے: ((اتِّقَاءَ شَرِّهِمْ)) ”ان کے شر سے بچنے کے لیے“ [سنن ابو داود: ۴۷۹۳، مسند احمد: ۲۴۷۹۸، سلسلۂ سند میں شریک اور اعمش کے مدلس ہونے کی وجہ سے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، تاہم حدیث صحیح ہے، جیسا کہ مسند احمد کے محققین نے اس کی تصحیح کی ہے۔ دیکھیے: مسند احمد محقق: ۴۱/۳۰۷]

بدزبانی کرنے والے خیر و بھلائی سے محروم ہوتے ہیں، ان کے اندر نہ خیر کا پہلو پایا جاتا ہے اور نہ لوگ ان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ سماج و معاشرے میں جہاں بہت سے بدکردار قسم کے بدزبان لوگ پائے جاتے ہیں اور اپنی بدزبانی و فحش گوئی سے لوگوں کا ناطقہ بند کیے رہتے ہیں، وہیں بہت سے ایسے مہذب بد زبان اور بکواس کرنے والے بھی پائے جاتے ہیں جو اپنی بات کے آگے کسی کی بھی نہیں چلنے دیتے ہیں، ہر ایک کو اپنے سامنے خاموش کر دیتے ہیں اور اپنی زبان دانی کے دامِ تزویر میں لوگوں کو پھنسا کر بے جا طور پر اپنی عزت کرواتے ہیں، فضول بکواس کے ذریعہ دوسروں پر اپنی فضیلت و برتری ثابت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی بُرے کردار کے حامل ہوتے ہیں، اپنی زبان اور قوتِ گویائی سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے ہوتے ہیں اور ایسے متکبرین بھی ان بدزبانوں کی صف میں آتے ہیں، جن کی زبان درازی اور فتنہ پروری سے لوگ دور

بھاگتے ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِشِرَارِكُمْ؟)) ”کیا میں تمھیں تمھارے بدترین لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟“ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((هُمُ الثَّرْثَارُونَ الْمُتَشَدِّقُونَ. أَلَاأُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا)) ”یہ وہ لوگ ہیں جو فضول بولنے والے اور گفتگو کے لیے باچھوں کو موڑنے والے ہوں۔ کیا میں تمھیں تمھارے بہترین لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ لوگ ہیں جو تم میں اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھے ہوں۔“ [مسند احمد:۸۸۲۲، مسند احمد کے محققین کہتے ہیں: حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف]

ابوثعلبہ خُشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبَكُمْ مِنِّي فِي الْآخِرَةِ مَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي فِي الْآخِرَةِ مُسَاوِيكُمْ أَخْلَاقًا، الثَّرْثَارُونَ، الْمُتَفَيْهِقُونَ، الْمُتَشَدِّقُونَ)) ”میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور روزِ قیامت میرے سب سے زیادہ قریبی وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سب سے زیادہ بہتر اخلاق والے ہوں اور میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ نفرت والے اور روزِ قیامت مجھ سے سب سے زیادہ دور رہنے والے وہ لوگ ہوں گے جو تم میں بُرے اخلاق والے، فضول بولنے والے، تکبر کرنے والے اور گفتگو کے لیے باچھوں کو موڑنے والے ہوں۔“

[مسند احمد:۱۷۷۳۲، ۱۷۷۴۳، مسند احمد کے محققین کہتے ہیں: حسن لغيره، وهذا إسناد رجاله ثقات رجال الصحيح]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفَيْهِقُونَ. قَالُوا:يَارَسُولَ اللَّهِ! قَدْعَلِمْنَا الثَّرْثَارُونَ،وَالْمُتَشَدِّقُونَ،فَمَا الْمُتَفَيْهِقُونَ؟ قَالَ: الْمُتَكَبِّرُونَ)) ”یقیناً میرے نزدیک (دنیا میں) تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن سب سے زیادہ مجھ سے قریب بیٹھنے والے وہ لوگ ہوں گے، جو سب سے اچھے اخلاق والے ہیں اور (دنیا میں) میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور فضول بولنے والے، زبان دراز اور تکبر کرنے والے ہوں گے۔“ صحابہ نے عرض کیا: ہم نے ”ثَرثَارُون“ (باتونی/فضول بک بک کرنے والوں) اور ”مُتَشَدِّقُون“ (لمبی چوڑی گفتگو کرنے والوں) کو تو جان لیا، مگر یہ ”مُتَفَيْهِقُون“ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ”تکبر کرنے والے۔“ [سنن ترمذی:۲۰۱۸، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ:۷۹۱]

اللہ رب العالمین بھی فحش گوئی اور بدزبانی کرنے والوں سے نفرت کرتا ہے، جو اس کی شدید حرمت و مذمت کی دلیل ہے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ، وَإِنَّ اللَّهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ)) ”قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسنِ خلق سے بڑھ کر وزنی کوئی اور چیز نہیں ہوگی اور بے شک اللہ فاحش اور بدگو سے نفرت کرتا ہے۔“ [سنن ترمذی:۲۰۰۲، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ:۸۷۶]

ایک حدیث میں بلاضرورت بہت زیادہ بک بک کرنے اور بدکلامی و فحش گوئی کرنے کو نفاق کی شاخ قرار دیا گیا ہے۔ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيْمَانِ، وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ)) ”حیا اور کم گوئی ایمان کی دو شاخیں ہیں، جب کہ بدکلامی اور کثرتِ کلام نفاق کی دو شاخیں ہیں۔“ [سنن ترمذی:۲۰۲۷]

امام ترمذی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث میں وارد الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”الْعِيُّ کا معنی کم گوئی اور الْبَذَاءُ کا معنی فحش گوئی کے ہیں، نیز الْبَيَانُ کا معنی کثرتِ کلام ہے، مثلاً وہ مقررین جو لمبی تقریریں کرتے ہیں اور لوگوں کی تعریف میں ایسی فصاحت بگھارتے ہیں، جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔“ [ایضًا]

کذب بیانی، وعدہ خلافی، غیبت، چغل خوری، بہتان تراشی اور لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹی باتیں کہنا بھی بدزبانی کا حصہ ہیں، مگر یہ ساری باتیں ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ جب کہ ایسے شخص کے لیے ہلاکت کی وعید سنائی گئی ہے جو ازراہِ مزاح اور محض لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ، وَيْلٌ لَهُ، وَيْلٌ لَهُ)) ”ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو ہنسائے۔ اس کے لیے ہلاکت ہے، اس کے لیے ہلاکت ہے۔“ [سنن ترمذی:۲۳۱۵، سنن ابوداود:۴۹۹۰، حسن/غایۃ المرام:۳۷۶]

زبان کی بے احتیاطی اور اس کی آفتوں سے بچنا اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ایک صاحبِ ایمان شخص کو ہمیشہ خیر و بھلائی کی باتیں اپنی زبان سے نکالنی چاہییے نیز بدزبانی اور لایعنی گفتگو سے پرہیز کرنی چاہییے اور اگر زبان سے خیر و بھلائی کی باتیں نہیں کرسکتے ہیں تو خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ جیسا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ...)) ”جو کوئی شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات بولے یا خاموش رہے۔...“ [صحیح بخاری:٦٠١٨، صحیح مسلم:٤٧]

موجودہ دور آزاد انٹرنیٹ کا تیز ترین ترقی یافتہ دور ہے۔ آئے دن لوگ سوشل میڈیا پر فحش گفتگو اور بدزبانی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، ذرا ذرا سی بات اور معمولی معمولی اختلاف پر دوسروں کی عزت اچھالتے ہیں، بلا تحقیق جھوٹی خبروں کی نشر و اشاعت کرتے ہیں یا ویسے ہی فضول بک بک کرتے رہتے ہیں اور لوگوں کی تسکین کے لیے جھوٹی باتیں بناتے رہتے ہیں۔ جب کہ جہاں زبانی طور پر اس طرح کے رویے کا شکار ہونا حرام ہے وہیں تحریری طور پر بھی یہ سب کچھ انجام دینا انتہائی قابلِ مذمت عمل ہے، بلکہ اس صورت میں اس کی حرمت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے، کیوں کہ تحریریں انمٹ نقوش چھوڑتی ہیں اور ان کا دائرہ بھی وسیع ہوتا ہے۔

اپنے منھ میاں مٹھو بننے کے لیے خود ستائی پر مبنی گفتگو کرنے، دوسروں پر فضول تبصرے کرنے، لاف زنی اور ڈینگیں مارنے کے لیے بغیر علم کے فتوے صادر کرنے اور بلا ضرورت ہر موضوع پر ڈسکس کرنے کی وبا اس وقت عام ہے، جب کہ یہ رویہ اختیار کرنا مذکورہ نصوص کی بنیاد پر نہایت سنگین ہے، اس لیے اس طرح کی فضول و واہیات قسم کی گفتگو اور بک بک کرنے والی بُری عادت سے بچیں اور ایسے لوگوں سے بھی دوری اختیار کریں۔

دراصل بدزبانی و بدکلامی کا تعلق ظلم سے ہے، ایسا آدمی اپنی زبان کے ذریعہ لوگوں پر ظلم ڈھاتا ہے اور یہ ظلم اس کے لیے جہنم کی راہ کو ہموار کرتا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ، وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ)) ”حیا ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں لے جانے والی ہے اور بدکلامی ظلم سے ہے اور ظلم جہنم میں لے جانے والی ہے۔“ [سنن ترمذی:٢٠٠٩، سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ:٤٩٥]

مذکورہ تمام شرعی نصوص فحش گوئی اور بدزبانی کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ دنیا میں بھی بُرے ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی بدترین ہوں گے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھیں اور اس کے ذریعہ کسی کو دکھ اور تکلیف نہ پہنچائیں۔ اللہ رب العزت ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین!

✿ ✿ ❁ ✿ ✿

8 دورخی اختیار کرنے والے

ہمارے سماج و معاشرے میں ایسے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں، جو ہر ایک کی نگاہ میں اچھا بننا چاہتے ہیں اور اس کے لیے جھوٹ و فریب کا سہارا لیتے ہوئے مصلحت کوشی سے کام لیتے ہیں اور منھ دیکھی باتیں کرتے ہیں۔ ایسی دوہری شخصیت کے مالک دوغلے لوگ جب کسی سے ملتے ہیں تو خود کو ان کا قریبی اور خیر خواہ قرار دیتے ہیں اور دوسروں کی برائی کرکے خود کو ان کا مخالف باور کراتے ہیں اور جب دوسروں کے پاس حاضری دیتے ہیں تو ان کے پاس بھی خوب بڑھا چڑھا کر یہی تاثر دیتے ہیں، اس طرح اپنی مقصد برآری کے لیے دونوں فریقوں کو آپس میں ایک دوسرے سے عداوت و دشمنی پر ابھارتے رہتے ہیں اور بسا اوقات اسی وجہ سے دو فریقوں کے درمیان نہ رکنے والی سرد جنگ شروع ہو جاتی ہے اور آپس ہی میں لوگ ایک دوسرے کے لیے بہی خواہ ہونے کے بجائے سخت دشمن بن جاتے ہیں۔ ایسے دو رُخے لوگوں کے لیے حدیث میں بڑی سخت مذمت آئی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**إِنَّ شَرَّ النَّاسِ ذُو الْوَجْهَيْنِ، الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ، وَهَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ**)) ”بے شک لوگوں میں بدترین ہے وہ آدمی، جو دو رُخا ہو۔ ان کے پاس ایک منھ سے آئے اور دوسروں کے پاس دوسرے منھ سے جائے۔“ [صحیح بخاری:۷۱۷۹، صحیح مسلم:۲۵۲۶]

نیز سنن ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے: ((**إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ**)) ”بے شک قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں بدترین شخص دو چہروں والا ہوگا۔“ [سنن ترمذی:۲۰۲۵، صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ:۲۲۲۶]

اسی طرح دو رُخوں کے اُخروی انجام کے متعلق عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**مَنْ كَانَ لَهُ وَجْهَانِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ**)) ”جو شخص دنیا میں دو رُخا ہوگا، قیامت کے روز اس کی دو آگ کی زبانیں ہوں گی۔“ [سنن ابوداود:۴۸۷۳، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ:۸۹۲]

مذکورہ بالا احادیث میں غور کریں کہ دو رُخا پن اپنانے والے کے لیے کس قدر سخت و سنگین بات کہی گئی

ہے۔ ایسے لوگ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدترین ہوں گے اور ان کے لیے آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ دنیا میں بھی ایسے لوگ ذلیل و خوار ہوتے رہتے ہیں، پستی ان کا مقدر ہوتی ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بھی گر جاتے ہیں۔ ایسے لوگ خود کو تیس مار خاں اور سب سے بڑا ہوشیار و دانش مند اور مصلحت پسند سمجھتے ہیں، حالاں کہ لوگوں میں ان کی حیثیت زیرو ہوتی ہے اور وہ اسی لائق ہوتے بھی ہیں، کیوں کہ دوغلی پالیسی اور بزدلی ان کے رگ و ریشے میں پیوست ہوتی ہے۔

کسی کی دورُخی پالیسی کی وجہ سے سماج و معاشرے کا اجتماعی بندھن توڑ مروڑ کا شکار ہو جاتا ہے، لوگوں کا آپسی شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے اور اجتماعیت کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ کوئی بھی آدمی اپنی کمزوری، بُزدلی، ضعیف الاعتقادی، سستی و کاہلی اور اپنے اندر پنپ رہے مکر و فریب اور عداوت و دشمنی کی وجہ سے دورُخی پالیسی اپناتا ہے اور یہ تمام تر وجوہات بذاتِ خود انتہائی قبیح و شنیع صفت ہیں، جن سے شریعتِ اسلامیہ نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ روکا ہے۔ البتہ اگر کسی کی غلطیاں، جرائم، تباہ کن عقائد و نظریات عام ہوں اور اس کی برائیاں سماجی انتشار یا سماج میں برائی پھیلنے کا ذریعہ اور ڈھال بنیں یا کوئی علانیہ طور پر گناہوں کا ارتکاب کرے اور اس پر شرمندہ ہونے کے بجائے فخر محسوس کرے تو ایسے شخص کے بارے میں دوسروں کو باخبر کر سکتے ہیں تاکہ اس کی برائیوں پر قدغن لگ سکے، اس کی برائیاں سماج میں مزید نہ پھیل سکیں اور عام مسلمان اس کے شرور و فتن سے محفوظ رہیں۔ تاہم خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان بھائی میں کوئی کمی پائی جاتی ہے تو پہلے خود ہی حکمت کے ساتھ اسے اس کے اندر پائی جانے والی برائی سے روکا جائے۔

دورُخے شخص کو دنیا میں بھی لوگ ناپسند کرتے ہیں اور آخرت میں بھی ایسے لوگ رب العالمین کے نزدیک انتہائی ذلیل و خوار ہوں گے، جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث میں اس کا بیان ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو رُخاپن نفاق کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے، اپنے مسلمان بھائیوں کو جھوٹ کا سہارا لے کر دھوکا و فریب دینا ہے، ایک دوسرے کے بھیدوں کو ظاہر کرنا ہے اور دو فریقوں کو آپس میں لڑانا ہے۔ سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات کا مطالعہ کریں، اللہ نے ابتدائی پانچ آیات میں اہلِ ایمان کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کے بعد دو آیات میں کھلے کافروں کا ذکر کیا ہے اور پھر مسلسل تیرہ آیات میں مصلحت پسند منافقین کی مذمت کی ہے، کیوں کہ ان کی خطرناکی نہایت سنگین ہوتی ہے اور ان کو پہچاننا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ دورُخا شخص بھی نفاق کا شکار ہوتا ہے اور

ہر ایک کو خوش کرنے کے لیے اپنی عاقبت برباد کرتا رہتا ہے۔

اسی باطنی نفاق کی وجہ سے اللہ رب العالمین نے مدینہ کے منافقین کو یہود کا بھائی قرار دیا ہے، مدینہ کے منافقین یہی کرتے تھے کہ مسلمانوں کے پاس آکر ان سے چکنی چپڑی باتیں کرتے تھے اور یہود کے پاس پہنچتے تو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے اور انھیں مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر یہ بھی کہتے کہ اگر لڑائی کی نوبت آئی تو ہم تمھارا ساتھ دیں گے اور اگر تم جِلا وطن کیے گئے تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے۔ اللہ رب العزت نے ان کی تکذیب فرمائی اور ان کے جھوٹے دعووں کی قلعی کھول کر رکھ دی اور انھیں بزدل و ناسمجھ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِن قُوتِلُوا لَا يَنصُرُونَهُمْ وَلَئِن نَّصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ۞ لَأَنتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ﴾ ”یقیناً اگر انھیں نکالا گیا تو وہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور یقیناً اگر ان سے جنگ کی گئی تو وہ ان کی مدد نہ کریں گے اور یقیناً اگر انھوں نے ان کی مدد کی تو وہ ضرور بالضرور پیٹھیں پھیریں گے، پھر وہ مدد نہیں کیے جائیں گے۔ بلاشبہ تم ان کے سینوں میں خوف کے اعتبار سے اللہ سے زیادہ سخت ہو، یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے۔“ [الحشر: ۱۲۔۱۳]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے مکر و فریب، کذب و افترا اور دوغلی پالیسی کو کھول کر رکھ دیا ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ ایسے دوغلے لوگ بزدل، نکمے اور عقل و فہم سے کورے ہوتے ہیں۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ دو رُخی پالیسی اختیار کرنے والے دوغلے لوگ نہایت جھوٹے، فریبی اور مکار ہوتے ہیں، ان کی ہر ادا سے خباثت و مکاری ٹپکتی رہتی ہے اور غیبت و چغل خوری ان کی عام عادت بن جاتی ہے، لوگوں کے درمیان فتنہ و فساد پھیلانے کے لیے دن و رات چغل خوری کرتے رہتے ہیں اور خود کو ایک دوسرے کے سامنے اچھا بنا کر پیش کرتے ہیں، جب کہ جلد ہی لوگ ان کے مکر و فریب سے واقف ہو جاتے ہیں، پورا معاشرہ انھیں اپنی نگاہوں سے گرا دیتا ہے اور وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں بھی بدترین مخلوق قرار پاتے ہیں، لہٰذا خود بھی ایسی مذموم صفت اپنانے سے بچیں، دوسروں کو بھی اس سے دور رہنے کی تاکید کریں اور ایسے لوگوں کی صحبت و ہم نشینی بھی نہ اختیار کریں۔ اللہ رب العالمین ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

✿ ✿ ❀ ✿ ✿

9 لگائی بُجھائی کرنے والے

لوگوں کے درمیان فتنہ وفساد برپا کرنے اور بُغض و عداوت پیدا کرنے کی غرض سے ایک آدمی کی بات دوسرے آدمی تک پہنچانا چغل خوری ہے، خواہ کسی کی بے خبری میں اس کی بات سن کر دوسروں تک پہنچائی جائے یا خود اس کی خاص مجلسوں میں شریک ہو کر دوسروں کے سامنے اس کی ایسی باتوں کو آشکارا کیا جائے، جسے ظاہر کرنا وہ ناپسند کرے۔ نبی کریم ﷺ نے چغل خوری کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

((نَقْلُ الحَدِيْثِ مِنْ بَعْضِ النَّاسِ إِلَى بَعْضٍ، لِيُفْسِدُوا بَيْنَهُمْ)) ''لوگوں کے درمیان فساد پھیلانے کے لیے بعض لوگوں کی باتوں کو بعض لوگوں سے بیان کرنا۔'' [أخرجه البخاري في الأدب المفرد: ٤٢٥، والبيهقي: ٢١٦٩١، وحسنه الألباني في سلسلة الأحاديث الصحيحة: ٨٤٥]

اور اگر کسی شخص کے حوالے سے معاشرے میں ایسی بات پھیلائی جائے، جو اس کے اندر نہ پائی جاتی ہو تو یہ بہتان تراشی ہے اور کسی پر جھوٹ گھڑنا اور اس کی عزت و آبرو کو اچھالنے کے لیے جھوٹا الزام لگانا نہایت گری ہوئی حرکت ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، جب کہ لگائی بجھائی کرنے والے چغل خور لوگ اکثر و بیش تر جھوٹ کا سہارا لیتے رہتے ہیں، لوگوں کے بنے بنائے تعلقات کو توڑنے اور دشمنی پیدا کرنے کے لیے ایک بات میں کئی کئی جھوٹ اپنی طرف سے شامل کر دیتے ہیں اور معاملے کے بالکل برخلاف باتیں ایک دوسرے کے حوالے کر دیتے ہیں۔ حالاں کہ اسلام میں کسی مسلمان بھائی کے عیوب کو بیان کرنے سے روکا گیا ہے اور اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے پوشیدہ عیوب کے بیان کرنے کو عام اصطلاح میں غیبت کہا جاتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سختی سے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو غیبت سے روکتے ہوئے فرمایا:

﴿...وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ﴾ ''...اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے، جب کہ وہ مردہ ہو، سو تم اسے ناپسند

کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔" [الحجرات:۱۲]

کسی بھی مسلمان کے پوشیدہ عیبوں کو اجاگر کرنا اور اس کے پیٹھ پیچھے افرادِ معاشرہ کے سامنے اس کی عزت کو تار تار کرنا درست نہیں ہے، اگر آدمی اپنے مسلمان بھائی کی عیب کے پیچھے پڑے گا تو اللہ تعالیٰ خود ایسے انسان کو ذلیل و رسوا کر دے گا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟" لوگوں نے عرض کیا: "اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمھارا اپنے بھائی کا ذکر ایسی چیز کے ساتھ کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔" کہا گیا: آپ کا کیا خیال ہے اگر میرے بھائی میں وہ چیز موجود ہو، جو میں کہہ رہا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ)) "اگر اس میں وہ چیز موجود ہے، جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ چیز اس میں موجود نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔" [صحیح مسلم:۲۵۸۹]

ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ! لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ، وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ؛ فَإِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعُ اللَّهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ)) "اے ان لوگوں کی جماعت جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ان کے دلوں میں نہیں داخل ہوا! مسلمانوں کی غیبت مت کرو اور نہ ان کے پوشیدہ عیوب کے پیچھے پڑو، اس لیے کہ جو مسلمانوں کے عیوب کے پیچھے پڑے گا اللہ اس کے عیوب کا پیچھا کرے گا اور جس کے عیبوں کا پیچھا اللہ کرے وہ اسے اس کے گھر میں رسوا کر دے گا۔" [سنن ابوداود:۴۸۸۰، مسند احمد:۱۹۷۷۶/صحیح]

غیبت، بہتان تراشی اور چغل خوری کرنے والے معاشرے کے بدترین افراد ہوتے ہیں، یہ اپنی لگائی بجھائی کے ذریعہ معاشرے میں فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں اور معاشرے کے امن وسکون کو تہ و بالا کر دیتے ہیں۔ بالخصوص عورتوں کے یہاں یہ بیماری بہت زیادہ عام ہے کہ وہ ایک گھر کی بات دوسرے گھر پہنچانے میں بڑی مہارت رکھتی ہیں، جس کی وجہ سے آپس میں دشمنیاں بڑھتی ہیں اور لوگوں کے خوش گوار تعلقات بغض و نفرت میں بدل جاتے ہیں۔ حالاں کہ احادیث میں چغل خوروں کے متعلق بڑی سخت وعید آئی ہے، بلکہ چغل خوری

کوعذابِ قبر کے اسباب میں سے ایک سبب قرار دیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ کا گزر ایک باغ میں دو قبروں کے پاس سے ہوا تو آپ نے قبر میں عذاب دیے جانے کی آواز سنی، آپ نے ایک قبر والے کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنے پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرے کے بارے میں فرمایا:

((وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ)) ”اور دوسرا شخص چغل خوری کیا کرتا تھا۔“ [بخاری:۲۱۶، مسلم:۲۹۲]

یعنی محض چغل خوری کی وجہ سے قبر میں مدفون ایک شخص عذاب سے دوچار تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لوگوں میں فتنہ وفساد پھیلانے کی خاطر حلال سمجھتے ہوئے چغل خوری کرتا ہے تو ایسے شخص کا داخلہ جہنم میں ہوگا، خواہ وقتی طور پر یا ہمیشہ ہمیش کے لیے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ لوگوں کی باہمی باتوں کی چغلی کھاتا ہے تو انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ)) ”چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ [بخاری:۶۰۵۶، مسلم:۱۰۵]

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟)) ”کیا میں تمھیں تمھارے بہترین افراد کے بارے میں نہ بتاؤں؟“ لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَخِيَارُكُمُ الَّذِينَ إِذَا رُءُوا ذُكِرَ اللَّهُ تَعَالَى، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشِرَارِكُمْ؟)) ”تمھارے بہترین افراد وہ ہیں، جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد آئے۔ کیا میں تمھیں تمھارے بدترین افراد کے بارے میں نہ بتاؤں؟“ لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَشِرَارُكُمُ الْمُفْسِدُونَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ، الْمَشَّاءُونَ بِالنَّمِيمَةِ، الْبَاغُونَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ)) ”تمھارے بُرے لوگ وہ ہیں، جو محبت کرنے والوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہیں، خوب چغل خوری کرتے ہیں اور اچھے بھلے لوگوں میں عیب تلاش کرتے ہیں۔“

[مسند احمد:۲۷۵۹۹، ۲۷۶۰۱، مسند احمد کے محققین نے اسے شواہد کی بنیاد پر حسن قرار دیا ہے۔]

نیز اسی مفہوم میں ایک حدیث ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ خِيَارَ عِبَادِ اللهِ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ الَّذِيْنَ إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللَّهُ، وإِنَّ شِرَارَ عِبَادِ اللهِ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْمَشَّاؤُونَ بِالنَّمِيْمَةِ، الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ، البَاغُوْنَ لِلْبُرآءِ الْعَنَتِ)) ”بے شک اس امت کے بہترین افراد وہ ہیں کہ جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے اور اس امت کے بدترین افراد وہ

ہیں، جو خوب چغل خوری کرنے والے، دوستوں کے درمیان جدائی ڈالنے والے اور بے قصور لوگوں پر گناہوں کا الزام دھرنے والے ہیں۔"[سلسلة الأحاديث الصحيحة : ۲۸۴۹]

مذکورہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپس میں محبت و الفت رکھنے والے مسلمانوں کے درمیان فساد و تفرقہ ڈالنے والے، چغل خوری و سخن چینی کرنے والے اور اچھے بھلے لوگوں پر عیب دھرنے والے افراد لوگوں میں سب سے بدترین ہوتے ہیں، کیوں کہ ایسے لوگ بھولے بھالے بے قصور لوگوں کے بارے میں فساد پھیلانے اور دوستی کو دشمنی میں بدلنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس طرح کا رویہ اختیار کرنے سے بچیں اور دو زبانی و دغا بازی جیسی بُری عادت سے دوری اختیار کریں اور اگر کوئی شخص آپ کے سامنے کسی کی برائی کرے، چغل خوری سے کام لے اور خود کو آپ کا قریبی اور خیر خواہ ثابت کرے تو اس کی باتوں میں نہ آئیں، بلکہ فوراً ہی اس کی تنبیہ کریں اور اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی عزت و آبرو کی حفاظت کریں، کیوں کہ اس میں بڑی فضیلت ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) "جو شخص اپنے بھائی کی عزت بچائے گا اللہ قیامت کے دن اس کے چہرے کو جہنم سے بچائے گا۔" [سنن ترمذی: ۱۹۳۱، مسند احمد: ۲۷۵۴۳]

یہ بہت بڑی فضیلت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بھائی کی ناموس بچانے والے کے چہرے کو قیامت کے دن جہنم سے بچائے گا۔ بعض روایتوں میں "عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ" کے بعد "بالغيب" یا "بالغيبة" وغیرہ کا اضافہ ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کا دفاع کرے اس کو یہ بڑی فضیلت حاصل ہوگی۔ اللہ ہمیں اس فضیلت کو حاصل کرنے کی توفیق دے، مذموم عادتوں سے بچائے اور مکاروں کے مکر و شر سے محفوظ رکھے۔ آمین!

✿ ✿ ❀ ✿ ✿

⑩ سخت بخیلی اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والے

فطری طور پر ہر انسان کے اندر مال و دولت سے محبت ہوتی ہے اور وہ ان کے حصول کے لیے کوشاں بھی رہتا ہے، لیکن اگر یہ محبت حد سے تجاوز کر جائے اور انسان مال و دولت کا حد درجہ حریص ہو جائے تو اس کے اندر کئی طرح کی خرابیاں در آتی ہیں، ایک طرف جہاں وہ غلط راہوں سے مال اکٹھا کرنے کی جستجو میں لگ جاتا ہے وہیں وہ دولت کا پجاری بن کر ذخیرہ اندوزی کرنے کے لیے حد درجہ بخل و کنجوسی سے کام لینے لگتا ہے، جس کی وجہ سے وہ قساوتِ قلبی اور بے مروتی جیسی مذموم صفات کا خوگر بن جاتا ہے اور بزدلی اس کا مقدر بن جاتی ہے، جب کہ انتہا کو پہنچی ہوئی بخل و کنجوسی اور بزدلی انتہائی قبیح خصلت ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((شَرُّ مَا فِي رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ)) ''کسی آدمی میں پائی جانے والی بدترین صفت انتہا کو پہنچی ہوئی بخیلی اور سخت بزدلی ہے۔'' [سنن أبوداود: ۲۵۱۱، صحیح ابن حبان:، مسند أحمد: صحیح ابن حبان: الصحیحۃ: ۵۶۰]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ انتہا درجے کا بخل و حرص اور سخت بزدلی کسی انسان کے اندر پائی جانے والی بدترین صفت ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ جب کوئی شخص اس خصلت سے متّصف ہو گا تو وہ انتہائی بدترین شخص ہو گا۔

حدیث شریف میں جو لفظِ ''شُحّ'' کا استعمال ہوا ہے، اس میں دو باتیں پائی جاتی ہیں: ایک تو بخل اور دوسرے حرص یعنی آدمی مال خرچ کرنے میں انتہائی بخیلی سے کام لے اور مال جمع کرنے کا انتہائی حریص ہو، جو اس کے پاس ہو اس میں بخل کرے اور جو نہ ہو اس کی حرص رکھے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر کوئی آدمی کبھی کسی وقت بخل کر جائے یا کسی چیز سے متعلق حرص سے کام لے لے تو یہ وقتی قضیہ قابلِ مذمت نہیں ہے۔ بخل حقیقت میں ان حقوق کو نہ ادا کرنے کا نام ہے جنھیں اللہ نے بندے پر واجب قرار دیا ہے، مثلاً زکاۃ کی ادئیگی، مہمان نوازی، اہلِ خانہ کا نان و نفقہ، جہاد اور وسائلِ خیر وغیرہ۔ بخل و حرص کی قبیح اور بدترین صورت یہ ہے کہ آدمی اس کی عادت بنا لے اور جائز و مباح بلکہ واجبی

امور میں بھی بخل سے کام لے اور جس چیز کو بھی دیکھے اس کا حریص ہو جائے۔ ہمارے سماج و معاشرے میں کچھ لوگ مال و دولت کے اس قدر حریص ہوتے ہیں اور اس حد تک بخیلی سے کام لیتے ہیں ہیں کہ مال و دولت کی فراوانی کے باوجود اپنی آل اولاد اور اپنے ماتحتوں پر بھی خرچ کرنا گوارا نہیں کرتے ہیں، بلکہ دولت و ثروت کی بہتات کے باوجود بھی شرعی حدود میں رہ کر وسائلِ زندگی کو بہتر بنانے اور اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے مال و دولت کو جمع کرنے کے دھن اور حرص میں لگے رہتے ہیں، زکاۃ کی ادائیگی تو بہت دور کی بات ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ''شُحّ'' کی لغوی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اَلشُّحُّ بُخْلٌ مَعَ حِرْصٍ وَذٰلِكَ فِيْمَا كَانَتْ عَادَةً'' ''شح: وہ بخل ہے، جس کے ساتھ حرص بھی ہو اور یہ آدمی کی عادت ہو۔'' [مفردات القرآن ص:۴۴۶]

بخل و حرص ایسی قبیح اور بدترین خصلت ہے، جو ہلاکت و بربادی کا موجب ہوتی ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدترین خصلت سے روکتے ہوئے امت کو یہ خبر دی ہے کہ اس خصلت کے حاملین پہلے کے لوگوں کو اسی بخل و حرص نے ہلاک کر دیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِتَّقُوا الظُّلْمَ؛ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ؛ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ، وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ)) ''ظلم سے بچو، اس لیے کہ ظلم (کی وجہ سے) قیامت کے دن بہت سی تاریکیاں ہوں گی اور ''شُحَّ'' (یعنی بخل و حرص) سے بچو، اس لیے کہ شح نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا، جو تم سے پہلے تھے، اس نے انھیں اس بات پر ابھارا کہ انھوں نے اپنے خون بہائے اور اپنے اوپر حرام چیزوں کو حلال کر لیا۔'' [صحیح مسلم:۲۵۷۸]

بخل و حرص ہر انسان کے اندر ہو سکتی ہے، مگر اس سے وہی لوگ نجات حاصل کر سکتے ہیں، جو اللہ کا خوف رکھتے ہیں، اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور جنھیں توفیقِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات جان لیں کہ جنھیں اللہ تعالیٰ اس بُری خصلت سے بچا لیتا ہے وہی لوگ یقینی طور پر کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ''اور جو کوئی اپنے نفس کی بخیلی و حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ہیں، جو کامیاب ہیں۔'' [الحشر:۹]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بخل و حرص سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور بچنے والوں کو کامیاب قرار

دے کر اس سے بچنے کی فضیلت کو واضح فرمایا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اس بُری خصلت سے بچنے کی کوشش کرے گا وہی اس سے بچ پائے گا اور اللہ تعالیٰ بھی اسے اس سے بچنے کی توفیق دے گا اور مال و دولت کو اکٹھا کرنے کی حرص اور بخل سے اسے بے نیاز کر دے گا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ انصاری صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے انھیں عطا فرمایا، پھر انھوں نے مانگا آپ نے انھیں دیا، پھر انھوں نے سوال کیا آپ نے انھیں دیا، یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا ختم ہو گیا، جب ہر چیز ختم ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللَّهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ)) ”میرے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ میں تم سے بچا کر نہیں رکھتا، جو آبرو کی حفاظت کرے گا یعنی سوال کرنے سے بچے گا اللہ اسے بچا لے گا اور جو کوئی صبر سے کام لے گا اللہ اسے صبر دے گا اور جو بے نیازی اختیار کرے گا اللہ اسے بے نیاز کر دے گا اور کسی بھی شخص کو صبر سے زیادہ بہتر اور اس سے بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں دی گئی ہے۔“ [صحیح بخاری:۱۴۶۹]

مال و دولت سے اگر انسان بے نیازی اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو بخل و حرص جیسی مذموم خصلت سے بچا لے گا اور لوگوں کی محبت کو اس کی طرف پھیر دے گا اور اگر بخل و کنجوسی کو اپنے لیے بہتر سمجھنے لگے تو یہ اس کے لیے برا ہو گا اور اللہ کے دیے ہوئے مال کو واجبی حقوق مثلاً زکاۃ اور نان و نفقہ وغیرہ میں خرچ کرنے سے بخیلی کرنے کی وجہ سے اسی مال کا طوق اسے پہنایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا۟ بِهِۦ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ ۗ﴾ ”اور وہ لوگ جو اس میں بخیلی کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے، ہرگز گمان نہ کریں کہ وہ ان کے لیے اچھا ہے، بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے، عنقریب قیامت کے دن انھیں اس چیز کا طوق پہنایا جائے گا جس میں انھوں نے بخل کیا۔“ [آل عمران:۱۸۰]

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن زکاۃ نہ دیے ہوئے مال کو ایک گنجے سانپ کی شکل دے دی جائے گی اور اسے طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور وہ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر اس سے کہے گا: میں

تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔[صحیح بخاری:۴۵۶۵]

بخیلی و کنجوسی کے علاوہ بزدلی اور پست ہمتی بھی ایک مذموم خصلت ہے، جیسا کہ اوپر اس کا تذکرہ ہوا ہے کہ بزدلی اختیار کرنے والا بدترین شخص ہوتا ہے۔ بزدلی کی وجہ سے آدمی کے اندر سستی و کاہلی آجاتی ہے اور اس کی ہمت پست ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ کوئی بڑا اور عظیم کام کرنے کے لائق نہیں رہتا اور کوئی کام کرتا بھی ہے تو ناکامی اس کے ہاتھ آتی ہے اور بسا اوقات وہ غیبت و چغل خوری کے مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اپنی ناکامی کا ذمہ دار دوسرے لوگوں کو قرار دینے لگتا ہے اور دوسروں کے خلاف بغض و کینہ کا شکار ہوکر خفیہ طور پر انھیں نقصان پہنچانے اور بدنام کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ بزدلی کسی بھی فرد اور قوم کے لیے تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ انسان کو تو اولاً حق پر ڈٹے رہنا چاہیے اور اصول پسند ہونا چاہیے تاکہ حق بات کہنے میں وہ ذرا بھی خوف محسوس نہ کرے، بلکہ پوری جرات کے ساتھ حق کو حق اور باطل کو باطل کہہ سکے۔ اسی طرح اپنے حقوق کو حاصل کرنے اور زبردستی غصب کیے ہوئے حقوق کی بازیابی کے لیے ہمیشہ حوصلہ منداور نڈر ہونا چاہیے، کیوں کہ جو لوگ یا جو قومیں بزدلی کا شکار ہوتی ہیں ظالم اور جابر لوگ ان پر ظلم و ستم ڈھانے اور زبردستی قابض ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیارے نبی ﷺ درج ذیل الفاظ کے ذریعہ عاجزی و کاہلی اور بزدلی و بخیلی وغیرہ مذموم صفات سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ)) ”اے اللہ! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں رنج اور غم سے، عاجزی اور کاہلی سے، بخل اور بزدلی سے، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غلبہ سے۔“[صحیح بخاری:۵۴۲۵، صحیح مسلم:۲۷۰۶]

ہمیں بھی مذکورہ مذموم صفات سے نجات پانے کے لیے اس نبوی دعا کا خلوصِ دل سے بکثرت وِرد کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین!

ایک مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے تمام معاملات میں ہمت و حوصلہ اور بہادری سے کام لے، سستی و کاہلی اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے عاجزی کا مظاہرہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور قوی و بہادر مومن کو کمزور و ناتواں مومن کے مقابلے میں بہتر اور اللہ کا زیادہ محبوب قرار دیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ، احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ : لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا. وَلَكِنْ قُلْ : قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ. فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ))
”طاقت ور مومن کمزور مومن سے بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ ہر ایک میں خیر موجود ہے، مفید کاموں کے حریص بنو، اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز نہ بنو۔ اگر تمھیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ ”اگر میں اس طرح کرتا تو یوں اور یوں ہوتا۔“ بلکہ اس طرح کہو ”اللہ نے یہی مقدر کیا تھا اور اس نے جو چاہا کیا۔“ اس لیے کہ ”اگر“ کے لفظ سے شیطان کا کام شروع ہو جاتا ہے۔“ [صحیح مسلم:۲۶۶۴]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قوی مؤمن ضعیف مؤمن سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ حدیث میں اس بات کی بھی صراحت پائی جاتی ہے کہ ضعیف مؤمن خیر سے خالی نہیں ہوتا ہے بلکہ قوی اور ضعیف مؤمن دونوں کے اندر خیر پائی جاتی ہے، کیوں کہ دونوں ایمان میں مشترک ہوتے ہیں اور ایمان بذات خود بہت بڑی خیر ہے اور اسی کے ساتھ وہ دیگر عبادات کو بھی انجام دیتا ہے علاوہ ازیں وہ بھی علم و تقویٰ اور امانت و دیانت وغیرہ جیسی صفات سے متّصف ہو سکتا ہے۔

کچھ لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ ڈرتے ڈرتے کوئی کام سستی و کاہلی سے کرتے ہیں اور پھر اس میں انھیں ناکامی ہو جاتی ہے تو اپنی سستی و بزدلی کا جائزہ نہیں لیتے ہیں، بلکہ اس کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اور بھی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بزدل آدمی جہاد سے بھی کتراتا اور گھبراتا ہے، حالاں کہ ہر دل میں واجبی طور پر جہاد کی تمنا ہونی چاہیے، اگر موقع ملے تو جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کرے اور اگر موقع میسر نہ آئے تو کم از کم ہمیشہ جہاد کی تمنا رہنی چاہیے اور اگر یہ جذبہ نہیں پایا جاتا ہے تو نبوی فرمان کے مطابق ایسے شخص کی موت نفاق کے ایک شعبے پر ہوگی۔ [دیکھیے: صحیح مسلم:۱۹۱۰] اسی طرح یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ پست ہمتی اور بزدلی کمزوری کی دلیل ہوتی ہے اور یہ جان لیجیے کہ کمزوروں کو ہر کوئی آنکھ دکھاتا ہے۔ ؎

ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا مَرگِ مُفاجات

لہٰذا ہمیں ہر حال میں ہمت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے صبر و شکر سے کام لینا چاہیے نیز حرص و بخل اور بزدلی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین!

✿ ✿ ❀ ✿ ✿

11 ظلم ڈھانے والے امراء اور حکام

ایک معاشرے کی امن وسلامتی کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کے امراء اور حکام میں عدل وانصاف اور نیکی کی خو پائی جائے، لیکن اگر خود قوم کے سربراہ اور حکامِ وقت ہی گمراہی کا شکار ہوں گے تو عوام میں بھی لازمی طور پر خرابی در آئے گی۔ ایسے امراء اور حکام جو عوام کے خیر خواہ نہ ہوں، عدل و انصاف کے بجائے ظلم و زیادتی کرتے ہوں، نفرت کی بیج بوتے ہوں، گالی گلوج بکتے ہوں، لوگوں کو آپس میں لڑاتے ہوں اور لعنت ملامت کرتے ہوں تو وہاں کی عوام بھی ان سے نفرت کرتی ہے اور انھیں بددعائیں دیتی ہے۔ جن امراء و حکام کی یہ حالت ہوتی ہے وہ حدیثِ رسول ﷺ کے بموجب بدترین اور بُرے حکمراں ہوتے ہیں، جیسا کہ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ)) ”تمھارے بہتر حکمراں وہ ہیں، جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں، وہ تمھارے لیے دعا کرتے ہوں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو اور تمھارے بُرے حکمراں وہ ہیں، جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہوں تم ان پر لعنت کرتے ہو وہ تم پر لعنت کرتے ہوں۔“ [صحیح مسلم: ۱۸۵۵]

ظالم حکمرانوں کے سامنے حق اور سچ بات کہنے کی صورت میں ان کی جانب سے شدید ردعمل کا ہونا یقینی ہوتا ہے اور پھر انسان پر مغلوبیت کا خوف بھی طاری رہتا ہے، حدیث میں ایسے لوگوں کے سامنے حق بات کہنے کو سب سے افضل جہاد کہا گیا ہے، جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ أَوْ: أَمِيرٍ جَائِرٍ)) ”افضل جہاد ظالم حاکم یا ظالم امیر کے رُوبَرو انصاف کی بات کہنا ہے۔“ [سنن ابوداود: ۴۳۴۴، سنن ترمذی: ۲۱۷۴، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۱/صحیح]

تاہم یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ منبر و محراب اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ اکٹھا کر کے انھیں حکام کے خلاف ابھارا جائے، حکام کے عیوب کو عام کیا جائے اور ان کے خلاف مسلح

کارروائی کی جائے۔ یہ اس حدیث کا مصداق نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے فتنہ وفساد برپا ہوتا ہے، بغاوت پھیلتی ہے اور نافرمانی کے مواقع پیدا ہوتے ہیں، اس طرح نتیجتاً فائدہ کے بجائے نقصان ہی نقصان حاصل ہوتا ہے۔ دراصل اس طرح کارویہ اختیار کرنا خارجیت کی راہ اپنانا ہے۔ درحقیقت افضل جہاد کی فضیلت حکام کے رُوبرُو ان کے ساتھ بالمشافہہ گفتگو کر کے حق بات کہنے سے حاصل ہوگی، کیوں کہ حدیث میں جو ''عند'' کا لفظ وارد ہے، وہ حضور اور موجودگی کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ظالم حکمراں کے پاس حاضر ہو کر بالمشافہہ کلمۂ حق کہنا ہی افضل جہاد ہے، یہی ہمارے سلفِ صالحین کا منہج وطریقہ رہا ہے۔ عیاض بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَرَادَ أَن يَنْصَحَ لِذِيْ سُلْطَانٍ فِي أَمْرٍ فَلَا يُبْدِهِ عَلَانِيَةً وَلَكِنْ لِيَأْخُذْ بِيَدِهِ فَيَخْلُوَ بِهِ فَإِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ وَإِلَّا كَانَ قَدْ أَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ لَهُ)) ''جوشخص کسی حکمران کو کسی معاملے میں نصیحت کرنا چاہے تو علانیہ نصیحت نہ کرے، تاہم ہاتھ سے پکڑ کر تنہائی میں لے جا کر نصیحت کرے، اگر وہ اس کی بات قبول کرلے تو بہتر ہے بصورتِ دیگر اس نے اپنی ذمہ داری ادا کردی ہے۔''

[تخريج كتاب السنة للألباني : ١٠٩٧ وصححه]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکام کو کسی بات پر تنبیہ اور نصیحت کرنے کی ضرورت ہو تو بالمشافہہ کی جائے اگر وہ قبول کرلیں تو ٹھیک ہے بصورتِ دیگر آدمی بری الذمہ ہوجاتا ہے، یہی معاملہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ ایسے امراء وحکام اور سربراہ قسم کے لوگوں کی صحبت وہم نشینی سے دوری اختیار کی جائے، کسی بھی طرح سے ان کا ساتھ نہ دیا جائے اور نہ ان کی مدد ومعاونت کی جائے۔ جیسا کہ ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ يُقَرِّبُونَ شِرَارَ النَّاسِ، وَيُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيتِهَا، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَلَا يَكُونَنَّ عَرِيفًا، وَلَا شُرْطِيًا، وَلَا جَابِيًا، وَلَا خَازِنًا)) ''ضرور تم پر ایسے امراء مسلط ہوں گے، جو بدترین لوگوں کو اپنے قریب کریں گے اور نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کریں گے، پس جو آدمی ان کا دور پائے تو وہ نہ ان (کی حکومت کا) منتظم بنے، نہ سپاہی، نہ وصول کنندہ اور نہ خزانچی بنے۔''

[صحيح ابن حبان : ٤٥٨٦، وحسنه الألباني في الصحيحة برقم : ٣٦٠]

اس حدیث سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اگر ہمارے امراء وحکام اور رہبرانِ قوم وملت میں کسی طرح

کی شرعی خرابی آجائے تو ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے اور ان سے کسی طرح کا ربط و تعلق نہ رکھا جائے، کیوں کہ ان سے ربط رکھنا ان کے بُرے کاموں پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا ہوگا اور عام لوگوں کی نگاہوں میں بھی ان کے بُرے کام مستحسن قرار پائیں گے۔

مسلمانوں کو اذیت پہنچانا اور انھیں تکلیف دینا بذات خود حرام ہے اور اگر اُمراء و حکام اور سربراہ قسم کے لوگوں کی جانب سے مسلمانوں پر ظلم ڈھایا جائے اور انھیں کسی طرح کی تکلیف پہنچائی جائے تو اس کی حرمت مزید دو چند ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَنْ تَنَالَهُمَا شِفَاعَتِيْ: إِمَامٌ ظَلَوْمٌ غَشُوْمٌ، وَكُلُّ غَالٍ مَارِقٍ)) ”میری امت کے دو قسم کے لوگ ایسے ہیں، جنھیں میری شفاعت نہیں ملے گی: ظلم ڈھانے والے جابر حکمراں اور غلو کرتے ہوئے دین سے نکلنے والے لوگ۔“ [المعجم الكبير للطبراني: ٨٠٧٠، سلسلة الأحاديث الصحيحة: ٤٧٠]

ہمارے معاشرہ و سماج میں بھی بہت سے اثر و رسوخ رکھنے والے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں، جو قوم و ملت اور گاؤں و سماج کی سربراہی اور رہبری کرتے ہیں اور درپیش عوامی مسائل و معاملات میں دخیل ہوتے ہیں، ان کی حیثیت بھی حاکم جیسی ہوتی ہے، ان میں سے بہت سے لوگوں کے اندر بدترین حکمراں کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور وہ عام عوام کو اپنے ظلم و ستم اور اپنی شرارت وفتنہ انگیزی سے پریشان کیے رہتے ہیں، ایسے کردار کے حاملین کے ساتھ مجالست اور ہم نشینی نہیں اختیار کرنی چاہیے اور کسی بھی طرح سے ان کی مدد بھی نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ اس سے ان کا حوصلہ بڑھے گا۔ ہاں! حق بات سے ضرور انھیں آگاہ کرنا چاہیے اور مقدور بھر انھیں ان کے ظلم سے ہاتھ یا زبان سے روکنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم انھیں دل میں بُرا سمجھنا چاہیے، یہ ہمارا دینی و شرعی فریضہ ہے۔

اللہ ہمیں کتاب و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے، ظالم حکمرانوں کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھے اور معاشرے میں موجود شریر قسم کے سربراہان کی شرارت وفتنہ انگیزی سے مامون رکھے۔ آمین!

✿ ✿ ❀ ✿ ✿

⓬ جن سے بھلائی کی امید نہ ہو اور جن کے شر سے لوگ محفوظ نہ رہیں

ایک مومن اور اچھے انسان کی زندگی ایسی ہوتی ہے کہ لوگ اس سے خیر و بھلائی کے متمنّی ہوتے ہیں اور اس کی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی، ہر کوئی اس کی ذات سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے آپ کو اس سے مامون و محفوظ سمجھتا ہے، ایسے لوگ عام انسانوں کی نگاہوں میں بھی اچھے ہوتے ہیں اور یقیناً اللہ کے نزدیک بھی محبوب ہوں گے۔

جب کہ اس کے برعکس ہمارے سماج و معاشرے میں ایسے بہت سے افراد پائے جاتے ہیں، جو اپنی ذات میں سراپا شر ہوتے ہیں، ان سے خیر و بھلائی کی امید نہیں رکھی جاتی ہے اور نہ عوام الناس ان سے محفوظ رہتے ہیں، نہ لوگوں کے جان و مال اور نہ عزت و آبرو ہی ان سے محفوظ رہتی ہے۔ ایسے لوگ معاشرے کے بدترین انسان ہوتے ہیں، کیوں کہ ایسے لوگوں کے اندر خیر و بھلائی کا پہلو نہیں پایا جاتا ہے اور لوگ ان کے شر سے محفوظ نہیں رہتے ہیں، بلکہ وہ سراپا شر ہوتے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں کے پاس آکر ٹھہرے اور فرمایا:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ؟)) ”کیا میں تمھیں تمھارے بُرے لوگوں میں سے تمھارے اچھے لوگوں کو نہ بتاؤں؟“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ خاموش رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہی فرمایا۔ ایک آدمی نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ ضرور ہمارے بُرے لوگوں میں سے اچھے لوگوں کے بارے میں بتائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجَى خَيْرُهُ وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ، وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُرْجَى خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ))

”تم میں وہ شخص بہتر ہے، جس سے خیر کی امید رکھی جائے اور جس کے شر سے مامون رہا جائے اور تم میں وہ شخص بُرا ہے، جس سے نہ خیر کی امید رکھی جائے اور نہ جس کے شر سے مامون رہا جائے۔“ [سنن ترمذی: ۲۲۶۳، مسند احمد: ۸۸۱۲، صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ: ۳۲۶۰/صحیح]

جس کسی مسلمان سے خیر و بھلائی کی امید نہ ہو اور عام لوگ اس کے شر سے محفوظ نہ رہیں، اس حدیث میں ایسے شخص کو بدترین قرار دیا گیا ہے۔ مومن کی یہ خوبی ہونی چاہیے کہ لوگ اس سے محفوظ رہیں اور خیر کی امید رکھیں اور اگر یہ خوبی نہیں پائی جاتی ہے تو گویا اس کے ایمان میں نقص پایا جاتا ہے، بلکہ اگر کسی کا ہمسایہ اس کے شر و فتنے سے محفوظ نہ رہے تو وہ جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ)) ''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کا ہمسایہ اس کے شر و فساد سے محفوظ نہ رہے۔'' [صحیح مسلم:۴۶]

حقیقت میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی پر نہ ظلم کرے، نہ ستائے اور نہ اس کی تحقیر و تذلیل کرے، بلکہ ممکن حد تک اپنی ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور اس طرح رہے کہ لوگ اس سے خیر و بھلائی اور نفع کی امید رکھیں۔ جب کہ ایک مسلمان آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر جانے اور اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے، جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند معاشرتی برائیوں سے روکتے ہوئے فرمایا:

((لَا تَحَاسَدُوا، وَلَاتَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَاتَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ؛ لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى هَاهُنَا - وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ؛ دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ))

''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، آپس میں ایک دوسرے کے لیے دھوکے سے قیمتیں نہ بڑھاؤ، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے کو پیٹھ نہ دکھاؤ یعنی قطع تعلقی نہ کرو، تم میں سے کوئی کسی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے، اللہ کے بندے بن کر آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کو ذلیل کرتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے (اور آپ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ فرمایا) آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان پر

دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت وآبرو حرام ہے۔“ [صحیح مسلم:۲۵۶۴]

ایک پُرامن اور بہترین مسلم معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں پر بسنے والے لوگ آپس میں الفت و محبت کے ساتھ رہیں، ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ بنیں، اپنی فیض رسانی کو عام رکھیں، کوئی کسی کو نقصان نہ پہنچائے، خود کو بڑا سمجھ کر کسی کی تحقیر نہ کرے اور مسلمانوں کے تمام افراد پر خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے اور امیر ہوں یا غریب، دوسرے مسلمانوں کا خون و مال اور عزت و آبرو حرام ہے اور یاد رکھیں دوسرے مسلمانوں کو حقیر سمجھنا تکبر کی علامت ہے، اس سے آدمی کی عزت و وقار میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، بلکہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنے والا شخص بدترین انسان قرار پائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، حسنِ اخلاق سے پیش آئیں اور اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں اور نہ کسی کا کچھ نقصان کریں تاکہ لوگ آپ سے خیر کی امید رکھیں اور ہرگز ہرگز ایسے اخلاق و کردار کو نہ اپنائیں کہ جس کی وجہ سے لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جائے اور لوگ آپ سے خیر و بھلائی کی امید رکھنا چھوڑ دیں، اگر ایسا ہوا تو آپ تمام مخلوق کی نگاہوں میں برے ٹھہرنے کے ساتھ اللہ کے یہاں بھی بدترین مخلوق قرار پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لیے نفع بخش اور سراپا خیر بنائے اور آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بھائی بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

13 اپنے خفیہ رازوں کو ظاہر کرنے والے مرد و خواتین

آپسی راز و نیاز کی باتیں اور میاں بیوی کے باہمی تعلقات کے خفیہ امور ایک امانت ہیں اور امانت میں خیانت کرنا بہت بڑا جرم اور کبیرہ گناہ ہے، بلکہ یہ نفاق کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

"منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔" [صحیح بخاری:۳۳، صحیح مسلم:۵۹]

یہاں اس حدیث میں اگرچہ منافق سے مراد اعتقادی منافق نہیں ہے، بلکہ اس سے عملی منافق مراد ہے اور ایسے شخص کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں قرار دیا جائے گا، مگر یہ بات بھی یقینی ہے کہ یہ سارے کام واقعی معنوں میں منافقوں والے ہیں اور ایسے کردار کا حامل شخص عملی منافق ہوتا ہے، جب کہ وہ ان کا عادی بن جائے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اعتقادی منافقین [1] اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں، یہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور وہاں ان کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا، کیوں کہ نفاق کا معاملہ صریح کفر سے زیادہ سنگین اور خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اُخروی انجام کے بارے میں فرمایا:

---

[1] شرعی اصطلاح میں خیر کو ظاہر کرنے اور برائی کو چھپائے رکھنے یا ظاہر میں اسلام کا اقرار کرنے اور دل میں کفر کو چھپائے رکھنے کو نفاق اور منافقت کہتے ہیں اور اس طرح کی دوہری شخصیت رکھنے والے شخص کو منافق کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر نفاق کی دو قسمیں ہیں: ایک اعتقادی نفاق جسے نفاقِ اکبر کہتے ہیں اور دوسرا عملی نفاق جسے نفاقِ اصغر کہتے ہیں۔

(1) **اعتقادی نفاق** یہ ہے کہ کوئی دل میں کفر چھپائے اور اسلام کو ظاہر کرے، ایسا منافق ابدی جہنمی ہے، بلکہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوگا۔ قرآن و حدیث میں ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ واضح رہے کہ اعتقادی منافق کا علم وحی الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے اِلا یہ کہ کسی کے بارے میں واضح قرائن و شواہد موجود ہوں۔

(2) **عملی نفاق** یہ ہے کہ کوئی شخص اسلام تو دل سے قبول کر چکا ہو، مگر عملی طور پر اس میں منافقین کی علامات و نشانیاں پائی جاتی ہوں، مثلاً جھوٹ، غیبت، خیانت اور بدعہدی وغیرہ عملی نفاق کی علامتوں میں سے ہے۔

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾ ”بے شک منافق لوگ آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔“ [النساء:۱۴۵]

اس لیے ضروری ہے کہ ہم منافقوں والے اعمال سے بچیں اور اس بات سے ڈریں کہ یہ عملی نفاق کہیں ہمیں اعتقادی نفاق کے دائرے میں نہ داخل کردے۔

راز کئی طرح کا ہوتا ہے اور ایک مسلمان شخص کے لیے ہر طرح کے راز کو پوشیدہ رکھنا واجب و ضروری ہے۔ یعنی افشائے راز بھی خیانت کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور کسی شرعی ضرورت کے بغیر رازوں کو فاش کرنے والا شخص عملی منافق ہوتا ہے، جس طرح امانت میں خیانت کرنے والا شخص عملی منافق ہوتا ہے۔ غور کریں کہ عام مسلمانوں کی پوشیدہ خبروں اور راز و نیاز کی باتوں کو ظاہر کرنا اور لوگوں میں اس کا ڈھنڈورا پیٹنا جائز نہیں ہے تو میاں بیوی میں سے کسی بھی فرد کا ایک دوسرے کی باتوں اور خفیہ ملاقاتوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا اور زن و شو کے آپسی تعلقات اور بیڈ روم کی کارستانی کو دوسروں سے شیئر کرکے بے حیائی و فحاشی کو فروغ دینا کیسے جائز اور درست ہو سکتا ہے؟

یہ بے حیائی عقل و فطرتِ سلیمہ اور شریعت کے بالکل مُنافی ہے، کوئی بھی باحیا اور اچھے کردار کا حامل انسان اس طرح کی خفیہ باتیں دوسروں کے سامنے نہیں رکھ سکتا، ایسا وہی کر سکتا ہے جو انسانیت سے گرا ہوگا اور جس کے اندر شرم و حیا نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ یہ واضح بات ہے کہ اس طرح کی باتوں کو عام کرنے میں کئی طرح کے مرکب گناہوں کا صدور ہوتا ہے: ایک تو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی دوسرے افشائے راز کا جرم، تیسرے فحاشی کو فروغ دینے کا گناہ اور چوتھے دیوثیت کی راہ اپنا کر سرِبازار اپنی عزت و آبرو کو نیلام کرنے کا جرم وغیرہ۔ یاد رکھیں جو لوگ مسلم معاشرے میں اہلِ ایمان کے درمیان بے حیائی اور فحاشی کی باتیں پھیلانے کے خواہاں ہوتے ہیں اللہ نے ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں جہان میں دردناک عذاب کی سخت وعید سنائی ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں بے حیائی پھیلے جو ایمان لائے ہیں، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا

ہے اور تم نہیں جانتے۔'' [النور:١٩]

اللہ رب العالمین نے میاں بیوی کو آپس میں ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی عزت و آبرو اور آپسی تعلقات کے محافظ ہیں، فرمایا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ ''وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔'' [البقرۃ:١٨٧]

یہ بات ہر کسی کو معلوم ہے کہ لباس ستر ڈھانپنے اور زیب و زینت وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے نہ کہ ستر کھولنے کے لیے اور آپس کی خفیہ باتوں کو لوگوں سے بیان کرنا خود ہی بے لباس اور بے آبرو ہونا ہے۔ سماج و معاشرے میں اس طرح کی بے حیائی پھیلانے والے دنیا اور آخرت میں درد ناک عذاب کے مستحق انتہائی بدترین لوگ ہیں۔

موجودہ دور میں جدید تہذیب کی بے حیائی اور جنسی کج روی نے لوگوں کو اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ جنسی تسکین کے لیے لوگ عریاں تصاویر کے ساتھ ساتھ زنا پر مشتمل گندے ویڈیوز سے لذت اندوز ہوتے ہیں اور بہتیرے جوڑے اپنی خلوت اور آپسی میل ملاپ اور بوس و کنار کے مناظر کی عکس بندی کرتے ہیں اور خلوت میں انجام دیے جانے والے آپسی تعلقات کے عمل کا ویڈیو بنا کر اس کی تشہیر کرتے ہوئے لوگوں میں اسے عام کرتے ہیں۔ افسوس صد افسوس! یہ لوگ کس قدر ملعون اور انسانیت سے گرے ہوئے ہیں کہ خود ہی اپنی عزت کا جنازہ نکالنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جدید تہذیب کے رسیا ماڈرن قسم کے مسلمانوں میں بھی یہ وبا پھیل رہی ہے کہ شبِ زفاف یا عام ایام کی راتوں میں میاں بیوی کے درمیان ہونے والی کارگزاری کو مرد حضرات اپنے دوستوں میں اور عورتیں اپنی سہیلیوں میں خوب چٹخارے اور مزے لے لے کر بیان کرتی ہیں، جب کہ ہمارے پیارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے خلوت میں میاں بیوی کے درمیان ہونے والی آپسی گفتگو اور زن و شوکی باتوں کو ایک دوسرے کے سامنے بیان کرنے اور اس کی تشہیر کرنے سے روکا ہے چہ جائے کہ اس کی ویڈیو گرافی کی جائے، کیوں کہ خلوت میں ہونے والی کارروائی میاں بیوی کا ایک راز ہے، جو صرف انھیں دونوں تک محدود رہنا چاہیے، کسی تیسرے کو اس سے آگاہ نہیں ہونا چاہیے اور اس راز کو ظاہر کرنا امانت میں خیانت کرنے کے مترادف

ہے۔ ابو سعید خدری رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا)) ''بے شک اللہ کے نزدیک قیامت کے دن مرتبے کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بُرا شخص وہ ہوگا، جو اپنی عورت کے پاس آئے (یعنی ہم بستری کرے) اور عورت اس کے پاس آئے، پھر وہ اس کے راز کو پھیلائے۔'' [صحیح مسلم: ۱۴۳۷]

یعنی آپس کے اندرونی معاملات کو دوسروں سے بیان کرنے والے مرد و خواتین لوگوں میں سب سے بُرے ہیں، مرد و خواتین میں سے ہر ایک کے لیے کسی دوسرے فرد سے اپنی پوشیدہ باتوں کو بیان کرنا حرام ہے۔

غور کریں! کہ جو لوگ خفیہ طور پر یا رات کی تاریکی میں گناہ کرتے ہیں اور پھر جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے عام کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا، تو پھر ان کا کیا حال ہوگا جو بذاتِ خود اپنی عزت کی نیلامی کرتے ہیں اور معاشرے میں فحاشی پھیلاتے ہیں۔ ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا:

((كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ، وَإِنَّ مِنَ الْمَجَانَةِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا، ثُمَّ يُصْبِحَ وَقَدْ سَتَرَهُ اللَّهُ، فَيَقُولَ: يَا فُلَانُ، عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا. وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ، وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللَّهِ عَنْهُ)) ''میری تمام امت کو معاف کیا جائے گا، سوائے علانیہ گناہ کرنے والوں کے اور علانیہ گناہ کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ ایک شخص رات کو کوئی (گناہ کا) کام کرے پھر باوجود یہ کہ اللہ نے اس کے گناہ کو چھپا دیا صبح ہونے پر وہ کہے: اے فلاں! میں نے کل رات فلاں فلاں برا کام کیا تھا، حالاں کہ رات گزر گئی تھی اور اس کے رب نے اس کا گناہ چھپائے رکھا تھا اور جب صبح ہوئی تو وہ خود پر اللہ کے دیے گئے پردے کو کھولنے لگا۔'' [صحیح بخاری: ۶۰۶۹، صحیح مسلم: ۲۹۹۰]

آج کل بہت سے بدکردار لوگ آپس میں میاں بیوی ہوتے ہوئے علانیہ فحش کاری کرتے پھرتے ہیں یا فحش مناظر کی ویڈیو عام کرتے ہیں، اپنی پوشیدہ باتوں کو عام کرتے ہیں، خود اپنے گھروں کی خواتین کی عریاں و نیم عریاں تصاویر عام کر کے لوگوں سے دادِ تحسین کے طلب گار ہوتے ہیں، جو کہ انتہائی درجے کی سفاہت و بے وقوفی اور بہت برا عمل ہے اور اس کی وجہ سے فحاشی کو عام بڑھاوا ملتا ہے۔ یاد رہے کہ اس طرح کی کھلم کھلا بد

کاری کرنے والے بدکرداروں ہی پر قیامت قائم ہوگی۔ نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی لمبی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((.....كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ اللَّهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ وَيَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ وَيَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ، يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ، فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ)) ”سو اسی حالت میں لوگ ہوں گے کہ یکایک حق تعالیٰ ایک پاک ہوا بھیجے گا کہ ان کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور اثر کر جائے گی تو ہر مؤمن اور مسلم کی روح کو قبض کرے گی اور برے لوگ باقی رہ جائیں گے، جو آپس میں گدھوں کی طرح اختلاط کریں گے اور ان پر قیامت قائم ہوگی۔“ [صحیح مسلم: ۷۲۹۳]

مطلب یہ ہے کہ جن پر قیامت قائم ہوگی وہ ایسے بُرے، بدترین اور بدذات قسم کے لوگ ہوں گے، جو علانیہ طور پر کسی کی پروا کے بغیر لوگوں کے سامنے گدھوں کی طرح عورتوں سے میل ملاپ کرنے والے ہوں گے اور فحاشی ان کے اندر عام ہوگی۔ آج ہمارے سماج و معاشرے میں یہ وبا عام ہوتی جارہی ہے، عورتیں ایک طرف مادر پدر آزاد ہوتی جارہی ہیں تو دوسری جانب مرد بھی اپنی غیرت و حمیت کا جنازہ نکال رہے ہیں اور عفت و عصمت کی حفاظت کی ذرّہ برابر پروا نہیں کرتے ہیں، بلکہ اس طرح کے آزاد مرد و عورت کھلی بے حیائی کو ہی تہذیب و ثقافت سمجھتے ہیں۔

اللہ اس طرح کے آزاد خیال لوگوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے، مسلمان عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت فرمائے اور ہم تمام لوگوں کو ہر طرح کی برائی سے بچائے اور بُروں کی صحبت سے محفوظ رکھے۔ آمین!

⓮ لمبی عمر پانے کے باوجود برائیوں میں لت پت رہنے والے

ہم سبھی اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ دنیا عارضی ہے اور یہاں کوئی مستقل طور پر رہنے کے لیے نہیں آیا ہے، اس مختصر سی دنیوی زندگی میں ہم جیسا کریں گے آخرت میں اُسی کے مطابق جزا یا سزا کے حق دار ہوں گے۔ یہ دنیا صرف کھانے کمانے، رہنے سہنے، اونچی اونچی عالیشان اور پُرشکوہ عمارتیں بنانے کے لیے نہیں ہے، اللہ نے ہمیں اپنی عبادت و بندگی بجالانے کے لیے پیدا فرمایا ہے اور اگر ہم اپنی مقصدِ تخلیق کو بھول کر حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر صرف مال و دولت اور متاعِ زندگی جمع کرنے میں لگ جائیں تو یہ بڑے گھاٹے کا سودا ہوگا اور آخرت کی دائمی زندگی میں ہم مشقت و پریشانی میں رہیں گے۔ قابلِ مبارک باد ہیں وہ لوگ جنھیں اللہ نے ایک لمبی عمر عطا فرمائی اور انھوں نے خوب خوب نیک اعمال انجام دے کر اپنے نامۂ اعمال کو نیکیوں سے بھر لیا اور زندگی کے حسین لمحات کو یوں ہی لہو و لعب اور برائیوں میں نہیں گزارا۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ)) ”جس کو لمبی عمر ملی اور اس کا عمل اچھا رہا۔“

[سنن ترمذی: ۲۳۲۹، مسند احمد: ۱۷۶۸۰، ۱۷۶۹۸/ صحیح]

لیکن بدترین ہیں وہ لوگ جو لمبی عمر پانے کے باوجود اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ در سیاہ کیے رہتے ہیں، جائیداد اور پراپرٹی بنانے میں اپنی پوری زندگی صرف کر دیتے ہیں اور اُنھیں اعمالِ صالحہ انجام دینے کی توفیق نہیں ملتی ہے، ایسے لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے بدترین قرار دیا ہے۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ)) ”وہ آدمی جس کو لمبی عمر ملی اور اس کا عمل نیک رہا۔“ اس نے کہا: لوگوں میں سب سے برا کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ)) ”جس کو لمبی عمر ملی اور اس کا عمل برا رہا۔“ [سنن ترمذی: ۲۳۳۰، مسند احمد: ۲۰۴۱۵، سند میں علی بن زید بن جدعان ضعیف راوی ہیں، لیکن شواہد کی بنا پر یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔]

ظاہر سی بات ہے کہ جب آدمی کی عمر لمبی ہوگی تو اس کے اعمال بھی زیادہ ہوں گے، اگر عمل اچھا ہوا تو اس کی جھولی میں نیکیوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو جائے گا، لیکن اگر اس کا عمل برا ہوا تو جس قدر عمر لمبی ہوگی اسی قدر اس کے نامۂ اعمال میں بُرے اعمال کا اضافہ بھی ہوگا۔ اس لیے وقت کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کی قدر کرنی چاہیے اور اپنے اوقات کو لایعنی چیزوں میں نہیں لگانا چاہیے۔ وقت کی حیثیت و قیمت ایک تاجر کے اصل سرمائے کی طرح ہوتی ہے، تاجر جتنا سرمایہ لگاتا ہے، نفع بھی اسی کے بقدر حاصل کرتا ہے، اسی طرح انسان اپنے وقت کو جس قدر نیکی کے کاموں میں گزارتا ہے اُسی کے بقدر اسے بہتر فائدہ حاصل ہوگا اور اگر ان اوقات کو برائیوں میں گزارتا ہے تو اسی کے بقدر اس کے گناہوں میں بھی اضافہ ہوگا اور یہ اس کے حق میں نہایت سنگین اور بُرا معاملہ ہوگا اور ایک دن اسے کفِ افسوس ملنا پڑے گا۔

غرض کہ زندگی اور اس کے اوقات کی بڑی قدر و قیمت ہے، اگر آدمی نیک ہے تو لمبی عمر کی وجہ سے اس کے اعمالِ صالحہ میں اضافہ ہی ہوگا اور اگر آدمی برا ہے تو لمبی عمر پانے کی صورت میں اسے اپنی سابقہ بداعمالی اور گناہوں پر توبہ و استغفار کرنے کا موقع ملے گا اور زندگی میں سدھار پیدا ہونے کا قوی امکان رہے گا، اسی لیے دنیوی تکلیف و مصیبت پر موت کی تمنا کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، تاہم اگر دین کے متعلق کسی بڑے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو اور خود آدمی اللہ سے ملاقات کا شدید متمنّی ہو تو نبی کریم ﷺ کی سکھلائی ہوئی درج ذیل دعا کے ذریعہ موت کی تمنا کی جا سکتی ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو کسی تکلیف میں مبتلا ہو کر موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے اور اگر کوئی ضروری طور پر موت کی تمنا کرنا ہی چاہے تو وہ یہ دعا کرے:

((اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي)) ”اے اللہ! جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو مجھے زندہ رکھ اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو مجھ کو اٹھا لے۔“

[صحیح بخاری: ۵۶۷۱، ۶۳۵۱، صحیح مسلم: ۲۶۸۰]

یہ حقیقت ہے کہ کافروں اور جن لوگوں کی اپنی پوری زندگی برائیوں اور گناہوں میں لت پت ہوتی ہے ان کی اچانک موت اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی پکڑ ہوتی ہے، اسی مفہوم میں نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((مَوْتُ الْفَجْأَةِ أَخْذَةُ أَسَفٍ)) ”اچانک موت ناراضی کی پکڑ ہے۔“ [سنن ابوداود: ۳۱۱۰، مسند احمد: ۱۵۴۹۶/صحیح]

ایک مومن شخص کو اگر لمبی زندگی ملے اور اسے نیکیوں کی توفیقِ ربانی بھی حاصل ہو تو یہ لمبی زندگی اس کے لیے رحمت و حصولِ ثواب کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے۔اس سلسلے میں عہد نبوی کا ایک سچا واقعہ ملاحظہ کریں کہ لمبی زندگی مومن کے لیے کیسے راحت ورحمت کا باعث بنتی ہے؟اور اس کی وجہ سے کس قدر فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بَلِیّ کے دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ دونوں ایک ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ان میں سے ایک شخص دوسرے کے مقابلے میں (عبادت کے تعلق سے) زیادہ محنت کرنے والا تھا، چناں چہ (عبادت گزار) محنتی شخص نے جہاد کیا اور شہید ہوگیا، جب کہ دوسرا شخص اس کے بعد ایک سال تک زندہ رہنے کے بعد وفات پائی۔

طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوں، مجھے اچانک وہ دونوں بھی وہاں دکھائی دیے، جنت سے ایک آدمی باہر نکلا اور بعد میں وفات پانے والے کو (اندر جانے کی) اجازت دے دی، اس کے بعد پھر وہی آدمی نکلا اور شہید ہونے والے کو اندر جانے کی اجازت دی پھر وہ میری جانب متوجہ ہوا اور کہا: تم واپس چلے جاؤ، ابھی تمھارا وقت نہیں آیا ہے۔جب طلحہ رضی اللہ عنہ نے صبح کیا اور لوگوں کو یہ خواب سنایا تو انھیں اس پر تعجب ہوا۔یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اور لوگوں نے آپ کو ماجرا سنایا تو آپ نے فرمایا: ((مِنْ أَيِّ ذَلِكَ تَعْجَبُونَ؟)) ”تم لوگ کس بات پر تعجب کر رہے ہو؟“ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دونوں میں یہ شخص زیادہ محنت کرنے والا تھا، پھر وہ شہید بھی ہوا، لیکن جنت میں یہ دوسرا شخص اس سے پہلے داخل ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَلَيْسَ قَدْ مَكَثَ هَذَا بَعْدَهُ سَنَةً؟)) ”کیا یہ (دوسرا شخص) اس کے بعد ایک سال تک زندہ نہیں رہا ہے؟“ لوگوں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں۔آپ نے فرمایا: ((وَأَدْرَكَ رَمَضَانَ فَصَامَ، وَصَلَّى كَذَا وَكَذَا مِنْ سَجْدَةٍ فِي السَّنَةِ؟)) ”اور اس نے رمضان کا مہینہ پایا، اس میں روزہ رکھا، اسی طرح اس نے سال میں اتنی اتنی رکعت نماز پڑھی؟“ لوگوں نے کہا: ہاں! کیوں نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَمَا بَيْنَهُمَا أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ)) ”ان دونوں کے درمیان آسمان وزمین کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ دوری ہے۔“ [سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۵/صحیح]

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی مومن کو اگر نیکیوں کی توفیق حاصل ہو تو اس کی لمبی زندگی اس کے لیے رحمت کا باعث ہوتی ہے، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو جس قدر لمبی زندگی ہوگی آدمی کا

نامۂ اعمال بھی اسی قدر سیاہ ہوتا جائے گا، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی احادیثِ نبویہ سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے زندگی کے لمحات کو اللہ کی رضا و خوش نودی میں گزاریں۔ ایک لمبی عمر پاکر بڑھاپے میں قدم رکھنے والے مرد و خواتین کو اس جانب خصوصی توجہ دینی چاہیے، انھیں اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے اور اپنا وقت اللہ کی عبادت میں صرف کرنا چاہیے، مگر افسوس کہ بہت سے معمر قسم کے لوگ بھی گناہ کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور زنا و فحش کاری جیسے گناہوں سے بھی باز نہیں آتے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں پیارے نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

⊙ ((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ : شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ)) ''تین طرح کے لوگ ایسے ہیں، جن سے اللہ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک فرمائے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے: بوڑھا زانی، بہت جھوٹ بولنے والا بادشاہ اور تکبر کرنے والا عیال دار مفلس شخص۔''

[صحیح مسلم:۱۰۷]

⊙ ((لا يَنْظُرُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى الشَّيْخِ الزَّانِي، وَلا إِلَى الْعَجُوزِ الزَّانِيَةِ)) ''اللہ قیامت کے دن بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی طرف نہیں دیکھے گا۔''

[المعجم الاوسط للطبرانی:۸۳۹۶، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ:۳۳۷۵]

اے اللہ! ہماری عمر و زندگی میں خیر و برکت عطا فرمادے اور ہمیں بُرے اعمال و افعال سے دور رہنے کی توفیق بخش دے۔ آمین!

15 اللہ کے نام پر سوال کرنے والے اور ایسوں کو نہ دینے والے

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے اور ان کی ابتلاء و آزمائش کے لیے اپنی حکمتِ بالغہ کے ذریعہ انسانوں میں سے کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر و قلاش بنایا ہے، لیکن اس تفریق کے باوجود ہر کسی کو روزی دینے کا وعدہ کیا ہے اور جس کی تقدیر میں اللہ نے جتنی روزی لکھ دی ہے اس کو اتنی روزی مل کر رہے گی۔ حصولِ رزق سے متعلق بعض لوگ جائز راہوں کو ترک کر کے حرام اور ممنوع راہوں کا انتخاب کرتے ہیں، جو کہ قطعًا درست نہیں ہے۔ معاشرے میں کچھ تو ضرورت مند افراد ہوتے ہیں، جنھیں بسا اوقات لوگوں سے سوال کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے، لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جو محض اپنے مال میں اضافہ کی خاطر دستِ سوال دراز کرتے رہتے ہیں اور اس کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں، بلکہ بعض لوگ ہمہ وقت اللہ کے پاک نام کا واسطہ دے کر مانگتے رہتے ہیں، ایسے لوگ نبوی فرمان کے بموجب بدترین لوگ ہیں اور وہ صاحبِ مال و ثروت بھی بدترین ہیں جن سے حقیقی ضرورت کے تحت اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ سوال کرنے والے کو کچھ بھی نہ دیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ؟ رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَتْلُوهُ؟ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِي غُنَيْمَةٍ لَهُ يُؤَدِّي حَقَّ اللَّهِ فِيهَا، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ؟ رَجُلٌ يُسْأَلُ بِاللَّهِ وَلَا يُعْطِي بِهِ)) ”کیا میں تمھیں سب سے بہتر شخص کے بارے میں نہ بتاؤں؟ اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامنے والا۔ کیا میں تمھیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو مرتبے میں اس کے بعد ہے؟ وہ شخص جو لوگوں سے الگ اپنی بکریوں کے درمیان رہ کر اللہ کا حق ادا کرتا رہتا ہے۔ کیا میں تمھیں بدترین شخص کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ شخص ہے، جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ عطا نہ کرے۔“ [سنن ترمذی:١٦٥٢، سنن نسائی:٢٥٦٩، مسند احمد:٢١١٦، سلسلة الاحاديث الصحيحة:٢٥٥]

اس حدیث میں پہلے مجاہد کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور پھر اس شخص کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو حفاظتِ دین کی خاطر الگ ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اس کا حق بجالاتا ہے۔ آخر میں اس بدبخت شخص کا

تذکرہ کیا گیا ہے، جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ سائل کو کچھ نہ دے، مال ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرنے والے کو کچھ نہ دینا حرام ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللَّهِ فَأَعْطُوهُ)) ”اور جو کوئی تم سے اللہ کے نام سے سوال کرے تو تم اس کو عطا کرو۔“ [سنن ابوداود: ۵۱۰۹، سنن نسائی: ۲۵۶۷، مسند احمد: ۵۳۶۵، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۵۴/صحیح]

مذکورہ بالا زیرِ مطالعہ حدیث میں وارد لفظ ((يُسْأَلُ)) کو زیادہ تر محدثین نے مجہول ہی پڑھا ہے اور اوپر اسی کے مطابق ترجمہ بھی کیا گیا ہے اور مجہول پڑھنے کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بدترین ہے وہ شخص جس سے اللہ کے نام سے سوال کیا جائے اور وہ نہ دے، جیسا کہ اس کی تفصیل بیان کی گئی۔ تاہم اسے مجہول کے بجائے معروف یعنی ((يَسْأَلُ)) بھی پڑھا گیا ہے اس اعتبار سے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کے نام پر سوال کرنے والے اور اللہ کے نام پر سوال کرنے پر نہ دینے والے دونوں قسم کے لوگ بدترین ہیں۔ یعنی دونوں طرح کے لوگوں کی قباحت لازم آتی ہے اور دونوں بدترین قرار پاتے ہیں۔

اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور جس سے سوال کیا جائے اس کے پاس وسعت ہو تو ایسی صورت میں سوال کرنے والے کو دینا بھی واجب ہوگا، جیسا کہ ابھی اوپر اس مفہوم پر دلالت کرنے والی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی گئی ہے۔ اسی طرح اللہ کے نام پر اور اس کی ذات کے حوالے سے محض دنیوی مال و متاع کا سوال کرنا بھی درست نہیں ہے۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کا فائدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس حدیث میں اللہ کے نام پر کسی دنیوی چیز کے بارے میں سوال کرنے کی حرمت اور اللہ کے نام پر سوال کرنے والے کو نہ دینے کی حرمت پر دلیل پائی جاتی ہے۔ امام سندھی رحمہ اللہ سنن نسائی کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: ”نبوی فرمان: ((الَّذِي يَسْأَلُ بِاللَّهِ)) کو معروف پڑھنے کی صورت میں دو قباحتیں جمع ہو جاتی ہیں: 1 اللہ کے نام پر سوال کرنا۔ 2 اللہ کے نام پر سوال کرنے والے کو نہ دینا، اس لیے کہ دونوں صورتوں میں بیک وقت اللہ تعالیٰ کے نام کی حرمت کا پاس و لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے۔ تاہم اسے مجہول پڑھنا بعید تر ہے، اس لیے کہ جس بندے سے اللہ کے نام سے سوال کیا جاتا ہے اس کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس مقام پر سائل

کے سوال کرنے اور نہ دینے کے درمیان کوئی مناسبت ہی نہیں پائی جاتی ہے۔“میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرنے کے باوجود نہ دینے کے حرام ہونے کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث بھی ہے: ((وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللهِ فَأَعْطُوْهُ)) اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نام سے سوال کرنے کے حرام ہونے کی دلیل یہ حدیث بھی ہے: ((لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللهِ إِلَّا الْجَنَّةَ)) یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے، جیساکہ منذری وغیرہ نے بیان کیا ہے، لیکن بطور استشہاد اس سے دلیل پکڑنا درست ہوگا۔ پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرنے والے کو دینا واجب ہے تو ایسی صورت میں بسا اوقات سوال کرنے والے کے مانگنے کی وجہ سے مسئول شخص، سوال کرنے والے کو نہ دینے کی وجہ سے، حرام شرعی مخالفت کا شکار ہوسکتا ہے اور جو حرام کا ذریعہ بنے وہ خود بھی حرام ہوگا۔ آپ خود اس پر غور وفکر کریں۔ اس سے پہلے عطاء رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر یا قرآن کے واسطہ سے کسی دنیوی چیز کے سوال کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اللہ کے نام پر مانگی گئی چیز کو دینا مسئول پر اس وقت واجب ہوگا جب کہ وہ دینے پر قادر ہو اور اس کی وجہ سے اسے یا اس کی آل اولاد کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچے، بصورتِ دیگر اللہ کے نام پر سوال کرنے والے کا مطالبہ پورا کرنا مسئول پر واجب نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم“

[سلسلة الأحاديث الصحيحة : ١/٥١٢]

آج کل ہمارے معاشرے میں بھیک منگائی کو کمائی کا ایک ذریعہ بنالیا گیا ہے اور یہ ایک پیشے کی حیثیت اختیار کرچکا ہے، ہر جگہ اس طرح کے لوگ مل جاتے ہیں، مسلمانوں کی بھاری اکثریت اس پیشے سے وابستہ ہے، گلی کوچوں اور عام شاہ راہوں پر، بسوں اور ٹرینوں میں، عام پبلک مقامات اور مسجدوں کے باہر لوگ مختلف حیلہ و بہانہ بناکر اللہ کے نام کا واسطہ دے کر مانگتے رہتے ہیں، بلکہ بہت سی بے پردہ دوشیزائیں اور خواتین بھی یہ کام انجام دیتی پھرتی ہیں، حالاں کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نام پر مانگنے والوں اور گداگری کا پیشہ اختیار کرنے والوں کی شدید مذمت کی ہے اور انھیں بدترین فرد قرار دیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ))

"آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوگا۔" [صحیح بخاری: ۱۴۷۴، صحیح مسلم: ۱۰۴۰]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا، فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ)) "جو شخص اپنے مال کو بڑھانے کی غرض سے لوگوں سے سوال کرے وہ اپنے لیے صرف انگارے مانگتا ہے، تو اس کی مرضی چاہے وہ کم مانگے یا زیادہ۔" [صحیح مسلم: ۱۰۴۱]

آٹھ یا نو افراد پر مشتمل صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیعت لی تھی کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے، اس بیعت کی وجہ سے اس وفد میں موجود صحابہ کی یہ حالت تھی کہ ان میں سے اگر کسی کا کوڑا زمین پر گر جاتا تھا تو وہ کسی سے پکڑانے کے لیے نہیں کہتے تھے، بلکہ خود ہی اٹھاتے تھے۔ [دیکھیے: صحیح مسلم: ۱۰۴۳]

اوپر پیش کی گئی احادیث سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت مانگنا اور گداگری کا پیشہ اختیار کرنا انتہائی سنگین اور حرام معاملہ ہے، اس پیشے کی کمائی بھی حرام ہوگی اور اگر اس پیشے میں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر مانگا جائے، جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے تو یہ اور سنگین معاملہ بن جاتا ہے، لہٰذا ایسے پیشہ ور گداگروں کی مدد نہ کرنا کوئی گناہ کا کام نہیں ہوگا اور مدد نہ کرنے کی صورت میں آدمی حرام کا مرتکب نہیں ہوگا، خواہ وہ مانگنے کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کریں، بلکہ ان کی مدد کرنا ظلم و عدوان اور گناہ کے کاموں میں ان کا تعاون کرنا ہوگا، جس سے ہمیں روکا گیا ہے، کیوں کہ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ پیشہ اختیار کرنے والے بیش تر افراد عادی قسم کے نشہ باز اور جرائم پیشہ ہوتے ہیں، مانگے ہوئے پیسوں کو شراب نوشی و دیگر معصیات کے کاموں میں استعمال کرتے ہیں اور بعض مانگنے والی خواتین تو قحبہ گری کے پیشہ سے بھی وابستہ ہوتی ہیں اور معاشرے میں فسق و فجور اور فواحش کو بڑھاوا دیتی ہیں۔

تاہم اس حقیقت سے بھی منھ موڑنا ناممکن ہے کہ ہمارے معاشرے میں بعض لوگ مجبور و پریشان حال ہوتے ہیں اور حقیقی معنوں میں وہ اس بات کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان کی مدد کی جائے اور ان کا سہارا بنا جائے،

ایسے لوگ اگر اپنی کسی ضرورت کے لیے دستِ سوال دراز کریں اگرچہ سوال کرنے سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے، توکوئی حرج کی بات نہیں ہے، لیکن ایسے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر نہ مانگیں، بس مجبوری کی حالت میں اپنی ضرورت کا واسطہ دے کر وقتی طور پر مانگنا درست ہوگا۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْمَسَائِلُ كُدُوحٌ، يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ، فَمَنْ شَاءَ أَبْقَى عَلَى وَجْهِهِ، وَمَنْ شَاءَ تَرَكَ إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ ذَا سُلْطَانٍ أَوْ فِي أَمْرٍ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا)) ”سوال کرنا ایک زخم ہے، جس سے انسان اپنے چہرے کو زخمی کرتا ہے، لہٰذا جو چاہے اپنے چہرے کی آبرو کو باقی رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے، مگر یہ کہ آدمی حکمراں سے مانگے یا مجبوری کی وجہ سے مانگے کہ مانگنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو (تو سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔)“ [سنن ابوداود:۱۶۳۹/صحیح]

اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنا ایک مذموم حرکت ہے، وہیں اس سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ مجبوری کی صورت میں کسی اہم ضرورت کے تحت آدمی اپنی زبان کھول سکتا ہے۔ اہلِ ثروت کو بھی اس بات کا خصوصی دھیان رکھنا چاہیے کہ کوئی ضرورت مند اُن کے در سے خالی ہاتھ نہ جائے اور اس کی عزت نفس پر حملہ نہ کیا جائے۔ ہمارے یہاں عمومی حالات یہ ہیں کہ بیش تر لوگ دینے سے زیادہ مانگنے والے کی عزتِ نفس پر حملہ کرتے ہیں یا وسعت ہونے کے باوجود ضرورت مند سائل کو جھڑک کر بھگا دیتے ہیں۔ اس طرح کا رویہ اپنانے سے پرہیز کریں اور حسنِ سلوک کے ساتھ حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ الٰہ العالمین! ہم تمام لوگوں کو اسوۂ نبوی کو اپنانے اور زندگی میں حسنِ عمل اور اصلاحِ ظاہر و باطن کی توفیق دے۔ آمین!

16 اپنی زینت کی نمائش کرنے والی بے پردہ خواتین

عورتوں کا اصلی مسکن وٹھکانا ان کا اپنا گھر ہے، وہ اندرونِ خانہ کی ملکہ، اپنے گھر کی نگہبان اور اپنے اولاد کی حقیقی مربیہ ہیں، لہٰذا اُنھیں اپنے گھر کی سکونت کو لازم پکڑنی چاہیے۔ البتہ اپنی حاجات اور ضروریات کے تحت اسلامی آدابِ حجاب کو ملحوظ رکھتے ہوئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے، جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّهُ قَدْ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ)) ''بے شک تم عورتوں کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔'' [صحیح بخاری:۴۷۹۵، صحیح مسلم:۲۱۷۰]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو ان کی ضروری حاجات کے پیشِ نظر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ مثلاً قضائے حاجت کی ضرورت، زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کرنے کے لیے جہاد میں شرکت، باپردہ ہوکر تعلیم وتدریس کے لیے نکلنا، مریض کی عیادت، اقرباء سے ملاقات اور ان کی تقاریب مثلاً شادی و بیاہ میں شمولیت اور مساجد و عید گاہ میں حاضری وغیرہ، لیکن اگر وہ بلا ضرورت بے پردہ گھر سے باہر نکلتی ہیں تو شیطان ان کی تاک میں لگ جاتا ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ)) ''عورت سراپا پردہ ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔'' [سنن ترمذی:۱۱۷۳، ارواء الغلیل:۲۷۳/صحیح]

نیز ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ وَ إِنَّهَا إِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ وَ إِنَّهَا لَا تَكُوْنُ أَقْرَبَ إِلَى اللّٰهِ مِنْهَا فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا)) ''عورت سراپا پردہ ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا ہے اور وہ اللہ کے قریب اس سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی جس قدر وہ اپنے گھر کے اندر رہ کر ہوتی ہے۔'' [المعجم الاوسط للطبرانی، بحوالہ: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ:۲۶۸۸]

دورِ جدید میں مغربی تہذیب سے متاثر بہت سی خواتین اپنے حقیقی مسکن اندرونِ خانہ کو خیر باد کہہ کر بیرونِ

خانہ کو اپنا مسکن بنا چکی ہیں، بیرونِ خانہ کی بھاگ دوڑ میں شریک ہو کر خود کو سوشل ورک میں گم کر چکی ہیں، دفتروں اور دکانوں میں گاہکوں کی کشش کا سامان بن کر اپنی نام نہاد آزادی کی متلاشی ہیں، غرض کہ مردوں کی ہم سری کا درجہ حاصل کرنے کے لیے تمام حدود و قیود کو پسِ پشت ڈال چکی ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ حقوق و آزادیِ نسواں کے فُسّاق محرکین نے انھیں شہ دے کر جلتے پر تیل کا کام کیا ہے، جس کی وجہ سے معاشرے میں اُن کی ناقدری میں اضافہ ہوا ہے، ان کے جائز حقوق کو سلب کر لیا گیا ہے اور سماج و معاشرے میں ان کی حیثیت اور ان کے بلند مقام کو ختم کر کے انھیں فقط تسکینِ جنس کا سامان بنا دیا گیا ہے اور ان سب کا منفی اثر سماج میں فواحش کی بہتات، جنسی انحراف کی کثرت اور افرادِ معاشرہ کی اخلاقی پستی کی صورت میں نظر آ رہی ہے۔

اسلام نے عورتوں کو زیب و زینت اختیار کرنے اور بننے سنورنے سے مطلق طور پر منع نہیں کیا ہے، بلکہ انھیں اس کی اجازت دی ہے بشرط یہ کہ وہ اپنے گھر کی چہار دیواری کے اندر شرعی حدود میں رہ کر زیب و زینت کو اپنائیں اور اپنے خاوند کے لیے بنیں سنوریں۔ اسی طرح عورتوں کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے، مگر اُنھیں پہلی جاہلی تبرج یعنی غیر محرم مردوں کے سامنے بے پردگی اختیار کرنے اور زیب و زینت کے اظہار کی رَوِش کو اپنانے سے روکا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ ''اور تم اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کی زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔'' [الأحزاب:۳۳]

اجنبی لوگوں کے سامنے اپنے جسمانی محاسن کی نمائش، زیب و زینت کے اظہار اور عریانیت و بے پردگی اختیار کرنے کو تبرج کہتے ہیں۔ مثلاً جسم کے بعض حصہ کو کھلا رکھنا، مردوں سے اونچی آواز میں بے باکانہ گفتگو کرنا، ناز و ادا سے چلنا، باہر نکلنے کے لیے عطریات اور خوشبو کا استعمال کرنا، زیورات اور کپڑوں کی نمائش کرنا وغیرہ۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ، فَمَرَّتْ عَلَى قَوْمٍ لِيَجِدُوا مِنْ رِيحِهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ)) ''جو کوئی عورت خوشبو لگائے اور لوگوں کے سامنے سے گزرے تاکہ لوگ اس کی خوشبو کو سونگھیں تو وہ زانیہ ہے۔''

[سنن نسائی:۵۱۲۶، السراج المنیر:۲/۸۸۷/حسن]

موجودہ دور میں آزاد خیال عورتوں کے یہاں وہی جاہلیتِ اولیٰ، ثقافت اور ترقی کے نام پر پھر عود کر آئی

ہے اور بہت سی عورتیں غیر مردوں کے سامنے اپنی خِلقی زینت اور کسبی بناؤ سنگار کے اظہار پر فخر محسوس کرتی ہیں، جس کا مشاہدہ کسی بھی آزاد خیال سوسائٹی میں کیا جا سکتا ہے۔ ایسی عورتوں کو حدیث میں بدترین قرار دیا گیا۔ چناں چہ ابو اُذینہ صدفی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

((خَيرُ نِسائِكُم الوَلُودُ الوَدُودُ المُواتِيَةُ المُواسِيَةُ إذا اتَّقَيْنَ اللهَ، وَشَرَّ نِسَائِكُمُ المُتَبَرِّجَاتُ المُتخَيِّلاتُ وهُنَّ المُنافِقاتُ لايَدخُلُ الجَنَّةَ مِنهُنَّ إلا مِثلُ الغُرابِ الأَعْصَمِ)) ”تمھاری بہترین عورتیں وہ ہیں جو خوب محبت کرنے والی، زیادہ بچے جننے والی، شوہر کی ہم نوائی کرنے والی اور ہم دردی کرنے والی ہوں، بشرط یہ کہ وہ اللہ سے ڈرنے والی ہوں۔ اور بدترین عورتیں وہ ہیں جو غیر محرم مردوں کے سامنے زینت کا اظہار کرنے والی اور اکڑ کر چلنے والی ہوں، ایسی عورتیں منافق ہیں، ان میں سے کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگی، مگر سرخ چونچ اور سرخ پیر والے کوّے کی طرح بہت کم۔“ [أخرجه البيهقي في السنن (٧ / ٨٢) سلسلة الأحاديث الصحيحة : ١٨٤٩، صحيح الجامع الصغير : ٣٣٣٠]

جس طرح سرخ چونچ اور سرخ پیروں والے کوّے کم یاب بلکہ نایاب ہوتے ہیں اسی طرح مٹک مٹک کر فاخرانہ چال چلنے والی اور اپنے زیب و زینت کا اظہار کرنے والی خواتین بھی جنت میں داخلہ پانے میں نایاب ہوں گی، بلکہ ایک نبوی پیشین گوئی کے مطابق ایسی عورتیں جنت کی خوشبو تک سے محروم ہوں گی، اس حدیثِ نبوی کا تذکرہ آگے آرہا ہے نیز اسی مفہوم کی ایک حدیث کے مطابق لباس پہننے کے باوجود برہنہ یا نیم برہنہ رہنے والی بے پردہ خواتین ملعون ہوتی ہیں اور ان پر لعنت بھیجنے کی بات کہی گئی ہے اور اس طرح کی بے پردہ عورتوں کی نشو و نما اُنھیں گھروں میں ہوتی ہے، جن گھروں کے افراد دیوث صفت اور بے غیرت ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ وسائلِ زندگی کے ذریعہ تمرد و سرکشی سے کام لیتے ہیں۔ عبد اللہ بن عمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا:

((سَيَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي رِجَالٌ يَرْكَبُوْنَ عَلَى سُرُوجٍ كَأَشْبَاهِ الرِّحَالِ، يَنْزِلُونَ عَلَى أَبْوَابِ الْمَسَاجِدِ، نِسَاؤُهُمْ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ، عَلَى رُءُوسِهِنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْعِجَافِ، الْعَنُوهُنَّ فَإِنَّهُنَّ مَلْعُونَاتٌ، لَوْ كَانَ وَرَاءَكُمْ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ خَدَمَهُنَّ نِسَاؤُكُمْ، كَمَا خَدَمَكُمْ نِسَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ)) ”عنقریب میری امت کے کچھ لوگ آخری زمانے میں کجاووں کے مشابہ زینوں پر

سوار ہوں گے، وہ مساجد کے دروازوں پر اتریں گے، ان کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، ان کے سروں پر بختی اونٹ کی جھکی ہوئی کوہانوں کی طرح ہوں گے۔ ان پر لعنت بھیجو کیوں کہ ایسی عورتیں ملعون ہیں۔ اگر تمھارے پیچھے کوئی اور امت ہوتی تو تمھاری عورتیں اس کی خدمت کرتیں جیسا کہ تم سے پہلے والی امتوں کی عورتوں نے تمھاری خدمت کی ہے۔" [صحیح ابن حبان:۵۷۵۳، مسند أحمد:۷۰۸۳، سلسلة الأحاديث الصحيحة:۲۶۸۳]

اس حدیث میں عورتوں کی جو حالت بیان کی گئی ہے ایسی عورتوں کا وجود ہمارے اس دور میں بکثرت ہو چکا ہے، بلکہ بہت پہلے ہی سے ایسی ملعون عورتوں کا وجود ہو چکا ہے۔ ہمارے اس دور میں عورتوں کی عریانیت و بے پردگی عام ہوتی جا رہی ہے اور جاہلی تبرج و نیم برہنگی بعض مسلم گھرانوں کا امتیازی وصف قرار پا چکی ہے، جس پر قدغن لگانا از حد ضروری ہے۔ اس حدیث میں مردوں کے تعلق سے جو خبر دی گئی ہے۔ اس کے متعلق شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اس حدیث میں بے پردہ عورتوں کے علاوہ مردوں کے تعلق سے بھی ایک زبردست علمی و غیبی معجزے کا بیان ہوا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں، جو گاڑیوں پر سوار ہو کر مسجدوں کے دروازوں پر اترتے ہیں۔ یہ نبوت کی سچی دلیل ہے، جس کا مشاہدہ ہم جمعہ کے دن کرتے ہیں، جب گاڑیاں مسجدوں کے سامنے اس قدر کھڑی کی جاتی ہیں کہ راستہ اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو جاتا ہے، ان سے بہت سے لوگ نماز جمعہ کی حاضری کے لیے اترتے ہیں اور ان کی اکثریت پنج وقتہ نمازوں کی پابند نہیں ہوتی ہے یا اپنے گھروں میں ادا کرنے پر اکتفا کرتی ہے، گویا ان لوگوں نے پنج وقتہ نمازوں کے مقابلے میں نماز جمعہ پر قناعت کر لیا ہے، اسی لیے جمعہ کے دن ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور مسجدوں کے سامنے اپنی گاڑیوں سے اترتے ہیں، لہٰذا ان پر نماز کا ثمرہ بھی نہیں ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی بیویوں اور بیٹیوں کا معاملہ بھی واضح طور پر ((نِسَاؤُهُمْ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ)) "ان کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی" کا مصداق ہوتا ہے۔

علاوہ بریں ایک اور بدترین صورت حال بھی ظاہر ہو چکی ہے، جس پر یہ حدیث پورے طور پر منطبق ہو رہی ہے، جس کا مشاہدہ ہم اس دور کے آخری ایام میں گاڑیوں پر سوار ہو کر جنازہ کے پیچھے

چلنے والوں میں کر رہے ہیں۔ ان گاڑیوں میں آسودہ حال، مغرور اور نماز کو ترک کرنے والے لوگ سوار ہوتے ہیں، یہاں تک کہ جب جنازہ لے جانے والی گاڑی کو روک کر میت کو نماز جنازہ کے لیے مسجد میں داخل کیا جاتا ہے یا اسے جنازہ گاہ میں رکھا جاتا ہے تو یہ پیشہ ور قسم کے لوگ مسجد کے سامنے اپنی گاڑیوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور بعض لوگ اُتر کر اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ جنازہ کو قبر تک لے جانے میں اس کے پیچھے چل سکیں، جب کہ ایسا بطور عبادت اور آخرت کو یاد کرنے کے لیے نہیں کرتے ہیں، بلکہ یہ سب کچھ محض سماجی منافقت و مداہنت اور چاپلوسی کے طور پر کرتے ہیں۔ واللہ المستعان" [سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ: ۶/۴۱۵-۴۱۶]

حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ عریانیت اور بے پردگی جدید تہذیب کا لازمی عنصر قرار پا چکی ہے۔ عورتیں شرم و حیا کا دامن تار تار کر کے بالکل عریاں یا نیم عریاں نظر آ رہی ہیں اور مرد بھی بے باکانہ فواحش کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جب کہ اسلام نے مرد و عورت دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور عورت کو مکمل طور پر پردہ کرنے کا حکم دیا ہے نیز اعضائے ستر کی نمائش اور اظہارِ زینت سے قطعی طور پر منع کیا ہے اور مردوں کو بھی اپنا ستر چھپانے کی تاکید کی ہے۔ عورت پوری کی پوری چھپانے کی چیز ہے اور مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔

واضح رہے کہ ایسا لباس جو جسم کے نشیب و فراز کو نمایاں کر دے یا پھر اتنا باریک ہو کہ اعضائے جسم کی ستر پوشی نہ کر سکے وہ عریانی اور برہنگی میں داخل ہے۔ چناں چہ نیم عریاں لباس کی بے ہودگی، جسمانی اعضا کی نمائش اور زیب و زینت کا اظہار انسان کے خُفتہ جذبات کو برانگیختہ کرتے ہیں، جس سے شہوت رانی اور ہویٰ پرستی کو ہوا ملتی ہے اور افرادِ معاشرہ میں جنسی بے راہ روی کو بڑھاوا ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس طرح کی عریانیت اور برہنگی کی قطعی اجازت نہیں دیتا ہے، بلکہ ایک ہی جنس کے افراد کو بھی آپس میں ایک دوسرے کی شرم گاہوں کی جانب دیکھنے سے روکتا ہے اور ایک دوسرے سے چھپانے کا حکم دیتا ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ، وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ، وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ)) "مرد مرد کی شرم گاہ اور عورت عورت کی شرم گاہ کی طرف نہ دیکھے، اور نہ مرد مرد کے ساتھ (برہنہ ہو کر) ایک کپڑے میں

لیٹے اور نہ عورت عورت کے ساتھ (برہنہ ہوکر) ایک کپڑے میں لیٹے۔"[صحیح مسلم:۳۳۸]

دورِ حاضر میں عورتوں کے اندر عریانیت، بے حیائی اور بے پردگی کے جو نت نئے مناظر اور بے ہودہ مظاہر ہمارے سامنے نظر آرہے ہیں اور جو طوفانِ بدتمیزی اور بے ہودگی پھیلی ہوئی ہے، اس کی پیشین گوئی نبی ﷺ نے بہت پہلے کردی تھی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا : قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ، مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ، وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا)) "دوطرح کے جہنمی ایسے ہیں، جنھیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا ہے یعنی ان کا وجود بعد میں ہوگا: ایک وہ لوگ ہیں، جن کے پاس گائے کے دُموں کی طرح کوڑے ہوں گے، جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے یعنی ظلم کریں گے۔ اور دوسرے وہ عورتیں ہیں، جو لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی، لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی اور ان کے سر بختی اونٹ کے جھکی ہوئی کوہانوں کی طرح ہوں گے، ایسی عورتیں جنت میں نہیں داخل ہوں گی، بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی، حالاں کہ اس کی خوشبو اتنے اور اتنے فاصلے سے آئے گی۔"[صحیح مسلم:۲۱۲۸]

لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی یعنی ایسا باریک لباس زیب تن کریں گی، جس سے ان کا اندرونی حصہ دکھائی دے رہا ہوگا اور جِلد کا رنگ نمایاں ہوگا یا انھوں نے اپنے بدن کے کچھ حصہ کو توڈھانپا ہوگا، مگر اپنے حسن و جمال کے اظہار کے لیے بدن کا کچھ حصہ کھلا چھوڑ رکھا ہوگا، اس طرح وہ اللہ کی نعمتِ لباس اور دیگر بہت سی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کے باوجود اس کا شکر ادا کرنے سے محروم ہوں گی، بدن پر کپڑا تو ڈال رکھا ہوگا، مگر لباسِ تقویٰ سے محروم ہوں گی اور برہنگی کی صورت بناکر آخرت کا اہتمام کرنے اور بھلائی کا کام انجام دینے سے عاری ہوں گی۔ بالوں کی کثرت، درازی اور ان کی خوب صورتی بڑھانے کے لیے مصنوعی بال لگاکر سر کو کوہان کی شکل دینے والی ہوں گی یا بالوں کو اس زاویہ سے لپیٹیں گی کہ وہ کوہان کی مشابہت اختیار کرلے۔ موجودہ دور میں ایسی صورتیں خواتین میں بہت زیادہ عام ہورہی ہیں۔

مندرجہ بالا حدیثِ نبوی میں ان عورتوں کے لیے سخت وعید ہے، جو بے پردگی، اپنے زیب و زینت اور

حسن و جمال کے اظہار کو اپنائیں گی، جو کہ بدکار عورتوں کا شیوہ ہے، اور مردوں کے لیے کشش اور فتنے کا باعث ہوں گی، علاوہ ازیں اپنے سر کے بالوں کو بھی مختلف اسٹائلوں سے سنواریں گی، اپنی چال ڈھال اور ناز و ادا سے مردوں کو پرچائیں گی اور لبھائیں گی، خود بھی اس حیا باختگی کو اپنائیں گی اور دوسروں کو اس کی ترغیب اور تعلیم دیں گی، جیسے آج کل بیوٹی پارلروں کی وبائے عظیم ہے۔ یہ حدیث علاماتِ نبوت میں سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں عورتوں کی بابت جو خبر دی ہے، وہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مسلمان عورتوں کی ایک بڑی تعداد نے مذکورہ تمام خرابیوں اور بے حیائیوں کو اپنا لیا ہے اور اس معاملے میں وہ بازاری عورتوں سے بھی آگے بڑھ گئی ہیں۔ [دیکھیے: دلیل الطالبین ترجمہ وفوائد ریاض الصالحین: ۲/۳۹۷]

نیم عریاں اور جسمانی ساخت کو عیاں کرنے والے لباس کو زیب تن کرنے والی خواتین ایک نبوی وعید کے مطابق جہنم میں عریاں ہوں گی اور اس کا ایندھن بنیں گی۔ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ایک رات رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے حالت میں بیدار ہوئے تو فرمایا:

''آج رات اللہ نے کتنے خزانے نازل کیے ہیں اور کتنے فتنے اتارے ہیں۔ کوئی ہے جو اُن حُجرے والیوں کو جگائے؟'' آپ ﷺ کی مراد ازواج مطہرات سے تھی تاکہ وہ نماز پڑھ لیں۔ [اور فرمایا:] ((يَا رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ)) ''افسوس! دنیا میں کپڑے پہننے والی بہت سی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔'' [صحیح بخاری: ۱۱۲۶، ۶۲۱۸، ۷۰۶۹، جامع ترمذی: ۲۱۹۶]

آج کل مسلمان عورتوں میں عریانیت و بے حجابی اور حسن و جمال کا اظہار عام وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ سڑکوں، پارکوں، گلی کوچوں، جِم خانوں، شاہ راہوں، بازاروں، ایوانوں اور تعلیم گاہوں میں ہر جگہ خاتونِ اسلام کی ایک بڑی تعداد بے پردہ نظر آ رہی ہے۔ ماڈرن برقعے اور نقاب کے نت نئے جدید فیشن نے تو باپردہ عورتوں کو بھی بے پردہ اور بازاری کر دیا ہے اور انھیں اپنی عزت و وقار کا کوئی پاس و لحاظ ہی نہیں رہا۔

عورت سراپا ستر ہے اور اگر بے ستر ہو تو خود اپنی ذات کے لیے اور دوسروں کے لیے بھی فتنہ اور آزمائش ہے۔ ذرا غور کریں! اگر ایک خاتون دورِ جدید کے عریاں لباس میں ملبوس، پرفیوم و عطریات سے لیس اور زینت و آرائش کے جدید طریقوں سے آراستہ ہو کر بے مُحابا بے حیائی کا اظہار کرے، آفسوں اور دکانوں کی زینت بنے تو کیا وہ یہ طریقہ اختیار کر کے گھروں میں ٹِکی رہنے والی یا باحجاب خواتین سے زیادہ محفوظ رہے

گی؟ سچ یہ ہے کہ یہ غیر محفوظ طریقہ ہے اور اس سے فواحش کو کتنا فروغ ملے گا اس کا اندازہ معاشرے پر نگاہ رکھنے والا کوئی بھی عقل مند شخص کر سکتا ہے۔ آئے دن جبری زنا کے جو حادثات پیش آرہے ہیں کیا اس میں عریانیت اور بے حیائی و بے پردگی کا دخل نہیں ہے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ زنا کے مجرم بے قصور ہیں، سزاوار نہیں ہیں، وہ ضرور خطا کار اور سزاوار ہیں، مگر معاشرے میں بڑھتی ہوئی عریانیت اور بے پردگی جیسی بے حیائی پر بھی قدغن لگانا ضروری ہے۔

عورتیں فطری طور پر بذاتِ خود حسن و جمال کا مرقع ہیں اور قدرتی طور پر ان کے اندر کشش و جاذبیت پائی جاتی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ ہر طرح سے مزین حالت میں بے پردہ ہوکر گھر کے باہر قدم رکھنے پر ان کا مقصود زینت کا اظہار ہو اور پھر شیطان انھیں مزین بناکر مرد و عورت دونوں فریق کو بہکانے پر آمادہ ہو جائے تو ظاہر سی بات ہے کہ اس طرح کی مخالطت اور آپسی میل ملاپ سے فتنہ ہی برپا ہوگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ عورتوں نے جہاں بھی بے پردگی کا مظاہرہ کیا اور مردوں کے ساتھ علانیہ اختلاط و ہم نشینی کو روا رکھا وہاں کا معاشرہ اخلاقی اعتبار سے پستی میں جا گرا اور دنیا کی بہت سی حکومتوں کے زوال کا بنیادی سبب بھی عورتوں کی بے راہ رَوی بنی ہے۔ آج مسلمانوں کی تہذیب و شناخت کو سبوتاژ کرنے کے لیے یہودیوں اور عیسائیوں نے اسی ہتھیار کو استعمال کر کے مسلم نوجوانوں اور دنیا کی بہت سی مسلم حکومتوں کو پستی و گمراہی اور ذلت و غلامی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے اور یہ مغربی قومیں مرد و زن کے بے باکانہ اختلاط اور عورتوں میں بے پردگی و خود نمائی کے رجحان کو ہوا دے کر خود بھی اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہیں اور وہاں کا معاشرتی نظام بھی انتہائی پستی سے دوچار ہے۔

جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے بھی عریانیت اور بے پردگی ہمارے معاشرے میں عام ہوتی جا رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت سی ماڈرن مسلم خواتین اپنی ویڈیو خود ہی بناکر سوشل میڈیا کے حوالے کر رہی ہیں اور موبائل فون کے غلط استعمال نے بہت سی باپردہ خواتین کو بے پردہ کر دیا ہے۔ چناں چہ آج کل شادی بیاہ، دینی اجتماعات اور عیدین وغیرہ کے موقع پر بہت سی خواتین دلہنوں کی یا عام عورتوں کی کبھی خود ان کی رضامندی سے اور کبھی ان کی اجازت کے بغیر تصویریں کھینچتی اور ویڈیو بناتی ہیں اور پورے رشتے داروں اور متعارفین کے پاس اسے بھیجتی ہیں، جس سے بہت سے اجانب مرد بھی بڑی آسانی سے اُن عورتوں کو دیکھ لیتے ہیں، جنھیں دیکھنے کی انھیں

اجازت نہیں ہے اور بعض دفعہ اس طرح کی گھریلو تصویریں یا ویڈیو وغیرہ سوشل پلیٹ فارم پر بھی شیئر ہو جاتی ہیں، جس سے ایک تو پورے گھر خاندان کی رسوائی ہوتی ہے اور مزید متعلقہ دوشیزہ کی عزتِ نفس بھی مجروح ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بسا اوقات وہ منفی سوچ کی حامل بن جاتی ہے۔

دراصل انسانوں کو عریاں اور بے پردہ کرنا شیطانی داؤ پیچ ہے، شیطان ہی فواحش کو مزین اور آراستہ کر کے، لوگوں کو بہلا پھسلا کر اس کی جانب آمادہ کرتا ہے اور پھر اسے بے حیائی کے کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔ سیدنا آدم اور حوا علیہما السلام کو عریاں اور بے پردہ کرنے اور انھیں جنت سے نکلوانے کے لیے شیطان ہی نے مکر و فریب اور حیلہ سازی سے کام لیا تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا ٱلشَّيْطَٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُۥرِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْءَٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَىٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ ٱلشَّجَرَةِ إِلَّآ أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ ٱلْخَٰلِدِينَ﴾ ''پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکایا تاکہ ان کے لیے کھول دے ان کی شرم گاہیں، جو اُن دونوں سے چھپائی گئی تھیں۔ اس نے کہا کہ تمھارے رب نے تم کو اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔'' [الأعراف:۲۰]

شیطان نے اپنی دسیسہ کاریوں اور حیلہ سازیوں سے جب سیدنا آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ کر دیا تو وہ دونوں غیر شعوری طور پر جنت کے پتے توڑ توڑ کر پردہ کرنے لگے۔ گویا عریانیت و بے پردگی سے دوری اختیار کرنا اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا ان کی فطرت و سرشت میں داخل تھی، جس کا فوری مظاہرہ ان کی طرف سے ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اولادِ آدم کی فطرت میں بھی یہ داخل ہے کہ وہ اپنی آبرو کی حفاظت کریں اور اپنے مقاماتِ ستر کو ڈھانپے رکھیں یعنی عریانیت اور بے پردگی اختیار کرنا دراصل فطرت سے بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ ''پس اس نے دونوں کو دھوکے سے مائل کر لیا، پھر جب دونوں نے درخت کو چکھا تو ان کی شرم گاہیں ان پر کُھل گئیں اور وہ دونوں اپنے آپ پر جنت کے پتوں سے

چپکانے لگے اور ان دونوں کو ان کے رب نے پکارا کہ کیا میں نے تمھیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔" [الأعراف:۲۲]

مذکورہ باتوں کے ضمن میں آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے نعمتِ لباس کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر شیطانی فتن سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے کہ مَبادا شیطان تمھیں بھی تمھارے ماں باپ (آدم و حوا علیہما السلام) کی طرح عریاں اور بے پردہ نہ کر دے اور یہ شیطان ہی ہے جو اولادِ آدم کو عریانی اور بے پردگی پر ابھارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۗ إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ "اے آدم کی اولاد! کہیں شیطان تم کو فتنے میں نہ ڈال دے، جس طرح اس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا، اس نے ان کے لباس اتروائے تاکہ دونوں کو ان کی شرم گاہیں دکھائے، بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں، جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھ سکتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے، جو ایمان نہیں لاتے۔"
[الأعراف:۲۷]

آج ہمارے سماج و معاشرے میں عریانیت اور بے پردگی کے جو مظاہر نظر آ رہے ہیں یہ سب شیطانی جعل سازیوں کے کارنامے ہیں اور اس کو فروغ دینے والے اہلِ مغرب، داعیانِ آزادیِ نسواں اور محرکینِ مساواتِ مرد و زن در حقیقت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیز دینِ اسلام کے دشمن اور بے ضمیر لوگ ہیں۔ لہٰذا ان کی بتائی ہوئی راہوں سے بچنا اور ان کے پُر فریب نعروں اور بلند بانگ دعوؤں سے دوری اختیار کرنا انسانیت کا لازمی فریضہ اور شریعتِ اسلامیہ کا واجبی تقاضا ہے۔

اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دین و ایمان کو سلامت رکھے اور ہماری خواتین کو حجاب و پردے میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

17 بہت زیادہ کھانے والے

اللہ رب العالمین کا بے پایاں شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنی مختلف طرح کی بے شمار ظاہری و باطنی نعمتوں سے ہمیں نواز رکھا ہے، جن سے ہم لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو اگر ہم شمار کرنا چاہیں تو وہ ہماری شمار سے باہر ہیں۔ ان نعمتوں پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن کر ہر طرح کی سرکشی اور طغیانی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کھانے پینے کے تعلق سے بھی اللہ رب العزت نے ہمیں انواع و اقسام کی بے شمار حلال و پاکیزہ چیزیں مہیا کر رکھی ہیں، جنھیں ہم حدِ اعتدال میں رہ کر اپنی پسند کے مطابق استعمال کر سکتے ہیں، لیکن بہت سے لوگ اس میں بھی بے اعتدالی سے کام لیتے ہیں، یا تو بے دریغ انھیں ضائع کرتے ہیں یا پھر حد درجہ بخل و کنجوسی سے کام لیتے ہیں اور اس کے لیے دوسروں کا حق مارتے ہیں، فضول خرچی کر کے ناشکری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ادا کردہ حقوق کو ادا کرنے کے بجائے نعمتِ الٰہی پر شیخی بگھارتے ہیں اور اس کی ناراضی والی جگہوں میں خرچ کر کے روئے زمین پر تمرد و سرکشی پھیلاتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حدِ اعتدال میں رہ کر حلال و پاکیزہ چیزوں کو استعمال کرنے کی کھلی اجازت دے رکھی ہے۔ اللہ نے فرمایا:

﴿كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ﴾ "کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمھیں دی ہیں اور ان میں حد سے نہ بڑھو، ورنہ تم پر میرا غضب اترے گا اور جس پر میرا غضب اترا تو یقیناً وہ ہلاک ہو گیا۔" [طٰہٰ:۸۱]

فرمانِ الٰہی: ﴿وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ﴾ "اور ان میں حد سے نہ بڑھو" کا مطلب یہ ہے کہ حدِ اعتدال میں رہ کر ان کا استعمال کرو اور شرعی دائرے سے نکل کر اسے سرکشی و نافرمانی کا ذریعہ نہ بناؤ، حرام چیزوں کو استعمال میں نہ لاؤ، حرام طریقے سے انھیں حاصل نہ کرو، غلط طریقے سے ذخیرہ اندوزی کر کے دوسروں کو ان کے حق سے محروم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد واضح فرمایا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے کی صورت میں اللہ کے غیظ و غضب کے مستحق ہو جاؤ گے اور یہ بھی جان رکھو کہ جس پر اللہ کا غیظ و غضب نازل ہو جاتا ہے وہ ہلاک و برباد ہو جاتا ہے، دنیا میں بھی وہ برباد ہو گا اور آخرت میں عذابِ الٰہی اس کا مقدر ہو گی، تاہم اس کے باوجود بھی

بندے کے لیے توبہ کا دروازہ ہمہ وقت کھلا ہوا ہے، چاہے تو وہ اپنے گناہوں پر پشیمان ہو کر اللہ سے توبہ و استغفار کر کے اس کی مغفرت حاصل کر سکتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس طرح حلال سے تجاوز کر کے حرام کھانا اور حلال چیزوں کو حرام امور میں خرچ کرنا حد سے تجاوز میں داخل ہے، وہیں حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لینا بھی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اوپر کی آیتِ کریمہ میں انھیں باتوں سے روکا گیا ہے۔ دوسری جگہ اللہ نے فرمایا:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ "اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔" [الأعراف:۳۱]

ایک طرف جہاں بہت سے لوگ کھانے پینے کی چیزوں کو بے دریغ ضائع کرتے ہیں یا انتہا کی حد تک بخل سے کام لیتے ہیں، وہیں بہت سے شکم کے پجاری اس طرح کھا لیتے ہیں کہ ان کا سانس لینا دوبھر ہو جاتا ہے اور اتنا زیادہ کھا لیتے ہیں کہ خود کا ہاضمہ ہی خراب کر لیتے ہیں یا ہضم تو کر لیتے ہیں، مگر سستی و کاہلی کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر پاتے حتیٰ کہ کوئی عبادت بھی احسن طریقے سے انجام نہیں دے پاتے ہیں۔ ایسے بسیار خوروں کے بطن کو اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے بدترین برتن قرار دیا ہے اور جب اس طرح کا شکم سیر پیٹ بدترین برتن قرار پائے گا تو اس وصف سے متّصف لوگ بھی بدترین قرار پائیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے آخرت کو بھول کر صرف خوب خوب انواع و اقسام کا کھانا کھانے، فرحت بخش مختلف قسم کے مشروب پینے اور عمدہ لباس زیبِ تن کرنے والوں کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ یہ اس امت کے بدترین لوگ ہیں۔ چناں چہ ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سَيَكُوْنُ رِجَالٌ مِنْ أُمَّتِيْ يَأْكُلُوْنَ أَلْوَانَ الطَّعَامِ، وَيَشْرَبُوْنَ أَلْوَانَ الشَّرَابِ، وَيَلْبَسُوْنَ أَلْوَانَ الثِّيَابِ، وَيَتَشَدَّقُونَ فِي الْكَلَامِ، فأولئكَ شرارُ أُمَّتِي)) "میری امت میں عنقریب کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو مختلف قسم کے کھانے کھائیں گے، مختلف قسم کے مشروب پیئیں گے اور گفتگو میں فصاحت بگھاریں گے۔ یہی میری امت کے بدترین لوگ ہیں۔" [اس کی سند انتہائی ضعیف ہے، لیکن دیگر طرق کی بنیاد پر حسن ہے۔ دیکھیے: المعجم الكبير للطبراني: ۷۵۱۲، سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۵۱۴/۴ تحت رقم الحديث: ۱۸۹۱]

فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ مِنْ شِرَارِ أُمَّتِي الَّذِيْنَ غُذُّوْا بِالنَّعِيْمِ، الَّذِيْنَ يَطْلُبُوْنَ أَلْوَانَ الطَّعَامِ وَ أَلْوَانَ الثِّيَابِ، يَتَشَدَّقُونَ بِالْكَلَامِ)) "میری امت کے

بدترین لوگ وہ ہیں، جو مختلف نعمتوں سے نوازے گئے اور جو قسم قسم کے کھانوں اور رنگ برنگ کپڑوں کی طلب میں لگ گئے اور جنھوں نے فصیح و بلیغ گفتگو کرنے کے لیے باچھوں کو موڑنا شروع کر دیا۔“

[إسناده جيد و رجاله موثوقون إلا أنه مرسل / سلسلة الأحاديث الصحيحة : ١٨٩١]

مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ)) ”کسی آدمی نے پیٹ سے بدترین کوئی برتن نہیں بھرا۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں، جو اس کی کمر کو سیدھی رکھیں اور اگر کوئی چارۂ کار نہ ہو یعنی زیادہ کھانا ہی ضروری ہو تو (پیٹ کا) ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے رکھے۔“ [سنن ترمذی: ۲۳۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۹، مسند أحمد: ۱۸۶/۱۷/صحیح]

اس حدیث میں پیٹ بھر کر کھانے کی مذمت کی گئی ہے اور ایسے پیٹ کو بدترین برتن قرار دیا گیا ہے، جسے ٹھونس کر بھر لیا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ ضرورت سے زیادہ کھانا اور حلق تک پیٹ کو بھر لینا صحت و بدن کے لیے بھی ضرر رساں ہے، اس کی وجہ سے بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور شرعی اعتبار سے بھی یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ زیادہ کھا لینے کی صورت میں طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے اور آسانی سے اسلامی احکام و آداب بھی ادا نہیں کی جا سکتی ہے، یعنی کھانے پینے میں بے احتیاطی اختیار کرنا دنیا و آخرت دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ آدمی کی زندگی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف پُر تکلف کھانوں میں اپنا سارا وقت اور اپنی توانائی صرف کرے، بلکہ اسی قدر کھانے سے ربط و تعلق رکھے کہ جس سے صحت و زندگی قائم رہے اور آدمی پورے نشاط کے ساتھ اپنے مقصدِ حیات یعنی عبادتِ الٰہی کو بحسن و خوبی انجام دے سکے اور اپنے دنیوی امور کو بھی اچھی طرح سے ادا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ پاکیزہ چیزوں سے منہ موڑنا بھی درست نہیں ہے اور نہ حد سے زیادہ کھانا ہی درست ہے۔ بعض لوگ اللہ کی نعمتوں کو ترک کر کے محض بھوکا رہنے کو بہتر سمجھتے ہیں اور اپنے نفس پر بے جا جبر کرتے ہیں، یہ طریقہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و طریقے کے خلاف ہے، آدمی پر اس کے نفس کا بھی حق ہے کہ اسے آرام دیا جائے اور کھانے پینے کی چیزوں سے دوری اختیار کر کے اسے مشقت میں نہ ڈالا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُوا وَاشْرَبُوا، وَالْبَسُوا وَتَصَدَّقُوا فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِيلَةٍ)) ''اسراف اور تکبر کے بغیر کھاؤ اور پیو، پہنو اور صدقہ کرو۔'' [صحیح بخاری، کتاب اللباس قبل الحدیث: ۵۷۸۳، تعلیقاً]

ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تین افراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق جانکاری حاصل کرنے کے لیے ازواجِ مطہرات کے گھروں کی طرف آئے، جب انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزآنہ کا معمول معلوم ہوا تو انھوں نے اسے کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مقابلہ ہے؟ ان کے تو اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں، ان میں سے ایک صاحب کہنے لگے کہ میں تو ہمیشہ پوری پوری رات نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا کبھی بے روزہ نہیں رہوں گا اور تیسرے صاحب نے کہا میں تو عورتوں سے جُدا رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا، گویا انھوں نے محض اپنی زہد و عبادت کی خاطر جائز حد سے تجاوز کرنا چاہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے مخاطب ہوئے: ((أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي)) ''تم لوگوں نے ایسی اور ایسی باتیں کی ہیں؟ دیکھو، اللہ کی قسم! میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔'' [صحیح بخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱]

زہد و ورع کے لیے حلال اشیاء کو ترک کرنا نبوی طریقے کے خلاف ہے، حلال اشیاء کو نہ تو سرے سے ترک کرنا درست ہے اور نہ اس میں اسراف سے کام لینا درست ہے۔ بہرحال بسیار خوری مومن کی شان نہیں ہے، ایک صاحبِ ایمان شخص بقدر کفایت کھاتا پیتا ہے اور اسی کم خوری میں اسے آسودگی اور شکم سیری حاصل ہوجاتی ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں کافر شخص بہت زیادہ کھاتا پیتا ہے اور مکمل پیٹ بھر کر کھانے پینے کے باوجود اسے آسودگی اور شکم سیری حاصل نہیں ہوتی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ، وَالكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ)) ''مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔'' [صحیح بخاری: ۵۳۹۳، صحیح مسلم: ۲۰۶۱]

اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي مِعًى وَاحِدٍ، وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ)) ''مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔'' [صحیح مسلم: ۲۰۶۳]

زیادہ کھانے پینے اور مُرغن و مقوی غذا استعمال کرنے سے حرص و لالچ بڑھتی ہے اور شہوت میں اضافہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آدمی غلط راہوں میں لگ جاتا ہے اور حرام کاموں میں ملوث ہو جاتا ہے اور مقصدِ زندگی کو بھول کر ہمہ وقت اچھی اچھی چیزوں کے حصول کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے اور حرام کاموں میں بھی ملوث ہو جاتا ہے نیز شکم سیری و بسیار خوری کو عادت بنا لینے کی صورت میں پیٹ میں بکثرت فضول مادے جمع ہونے لگتے ہیں، جس کی وجہ سے انسانی جسم مختلف طرح کی بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور ہمیشہ پیٹ بھر کر کھانا بذاتِ خود بدن اور جسم کی ساری قوتوں کو کمزور کر دیتا ہے، اگرچہ شکم سیری کی وجہ سے وقتی فرحت و تازگی حاصل ہو جاتی ہے۔

تاہم بسا اوقات زیادہ وقت تک بھوکا رہنے کی وجہ سے یا عمدہ کھانے کی شدید رغبت کی وجہ سے پیٹ بھر کھانے کی نوبت آجائے تو اس میں کوئی حرج و قباحت نہیں ہے اور آدمی کبھی کبھار زیادہ کھا پی سکتا ہے، مطلب یہ کہ بہ وقتِ ضرورت کبھی کبھار انسان شکم سیر ہو کر پیٹ بھر کھانا کھا سکتا ہے، جیسا کہ بعض مواقع کے تعلق سے احادیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً عبد الرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہما نے ایک واقعہ بیان کیا، جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اس میں انھوں نے فرمایا کہ:

((فَأَكَلْنَا أَجْمَعُونَ وَشَبِعْنَا)) ''ہم سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔'' [صحیح بخاری: ۵۳۸۲، صحیح مسلم: ۲۰۵۶]

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ کا تحفہ آیا تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خوب دودھ پیا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید اصرار پر انھیں کہنا پڑا کہ: ((لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا)) ''نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اب (مزید دودھ پینے کی) بالکل گنجائش نہیں ہے۔'' [صحیح بخاری: ۶۴۵۲]

اس وقت ہمارے معاشرے میں کھانے پینے سے متعلق حد درجہ غلو اور بے احتیاطی سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو سینکڑوں مسلم گھرانے فاقہ کشی میں زندگی گزار رہے ہیں، دو وقت کا کھانا بمشکل اُنھیں نصیب ہوتا ہے، مگر دوسری طرف ان کے اُمراء و رؤساء بلکہ درمیانی طبقے کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے دسترخوان پر وافر مقدار میں انواع و اقسام کے مرغن کھانے سجاتے ہیں اور پھر کھانے سے زیادہ ان کھانوں کا ضیاع کرتے ہوئے نعمتِ الٰہی کی ناشکری کرتے ہیں اور بچا ہوا کھانا سنبھال کر رکھنا تو لوگ اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔

بطور خاص مسلمانوں کی شادی بیاہ اور ان کے خاص مواقع کی تقاریب پر طائرانہ نظر ڈال لیں کہ ان مواقع پر کھانے پینے کے متعلق کس درجہ اسراف وفضول خرچی سے کام لیا جاتا ہے اور پھر ہر کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ کوالٹی کا کھانا تیار کرنے کرانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں لگا ہوا ہے، اس طرح کی تقاریب کے موقع پر کئی طرح کے انواع واقسام کا کھانا وافر وزائد مقدار میں تیار کرایا جاتا ہے اور اکثر لوگ کھانے کی ڈشوں پر بھوکے بھیڑیئے کی طرح پل پڑتے ہیں اور اس قدر کھاتے ہیں کہ بعد از فراغت ان کا چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا ہے، ہاضمہ تک خراب کر لیتے ہیں اور اگر کسی کے دسترخوان پر صرف دو تین قسموں پر ہی مشتمل کھانا پیش کر دیا جائے تو لوگ اسے ہتکِ عزت سمجھتے ہیں اور ایسی مجلسوں میں شرکت کرنے سے پرہیز کرتے ہیں، بلکہ بعض شاطر قسم کے لوگ شادی طے ہوتے ہی لڑکی والوں سے اس بات کا عہد وپیمان لے لیتے ہیں کہ کھانے پینے کی انواع واقسام اور کوالٹی میں کسی طرح کی کمی نہ ہونے پائے، فلاں فلاں ڈش تو لازمی طور پر موجود ہونی چاہیے اور اگر کبھی کسی کی جانب سے کچھ اونچ نیچ ہو جاتا ہے تو تُوتُکار اور لڑائی جھگڑے تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے، بلکہ بسا اوقات بنے بنائے آپسی رشتے تک منقطع ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے لوگوں نے تاخیر سے دیر رات کو کھانا کھانے اور اس کے بعد گپ شپ کرنے کو اپنی عادت بنا لیا ہے، جس کی وجہ سے بالعموم ان کی نمازِ فجر فوت ہو جاتی ہے اور پھر کھانا ہضم نہ ہونے کی وجہ سے وہ پورے دن سستی وکاہلی کا شکار رہتے ہیں، جب کہ نبی کریم ﷺ نے نمازِ عشاء کے بعد بلاضرورت گفتگو کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ [دیکھیے: صحیح بخاری: ۵۴۷، صحیح مسلم: ۶۴۷]

کھانے اور پینے کے تعلق سے صرف وہی چیزیں استعمال کرنی چاہیے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور جنھیں حلال طریقے سے کمایا گیا ہو، ہمارے یہاں اس سلسلے میں بڑی بے احتیاطی پائی جاتی ہے، لوگ حرام چیزوں کو بھی استعمال کرتے رہتے ہیں اور حلال چیزوں کو بھی حرام ذرائع سے کما کر حرام کر لیتے ہیں جب کہ حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے کہ جس جسم کی پرورش حرام کمائی اور حرام کھانے سے ہوگی، اس جسم کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے شخص کی لمبی لمبی دعائیں اور عبادات بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ

الْمُرْسَلِيْنَ، فَقَالَ تَعَالَى : ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ [المؤمنون : ٥١] وَقَالَ تَعَالَى : ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ [البقرة : ١٧٢] ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ : أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ : يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ؟))

"اے لوگو! بے شک اللہ طیب (پاک) ہے اور وہ صرف طیب (پاک وحلال) کو قبول فرماتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو اسی بات کا حکم دیا ہے، جس کا حکم رسولوں کو دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے ایمان والو! جو پاکیزہ روزی ہم نے تمھیں دے رکھی ہیں انھیں کھاؤ پیو۔" پھر آپ ﷺ نے ایسے آدمی کا ذکر کیا، جو لمبا سفر کرتا ہے اور وہ پریشان حال گرد و غبار سے اٹا ہوتا ہے، وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے (اور یہ دعا کرتا ہے:) "اے میرے رب! اے میرے رب! حالاں کہ اس کا کھانا حرام کا ہوتا ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے اور وہ حرام غذا سے پلا ہوتا ہے، پھر اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟" [صحیح مسلم:۱۰۱۵]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی پرورش و پرداخت پاک مال کے ذریعہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اسی کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ نیز دعا کی قبولیت کے لیے جہاں اور بہت ساری شرطیں ہیں، وہیں یہ شرط بھی ہے کہ انسان کا کھانا، پینا، لباس اور دیگر استعمال میں آنے والی چیزیں حلال کی ہوں اور اس کی پرورش حلال و پاکیزہ مال سے ہوئی ہو۔ علاوہ ازیں دعا کی قبولیت کے دیگر اسباب کی جانب بھی اس میں اشارہ موجود ہے وہ یہ کہ آدمی خوب تواضع و انکساری اختیار کرے، تصنع و تکلف سے کام نہ لے، شیخی نہ بگھارے، اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی جانب بلند کرے اور پوری گریہ وزاری اور رو رو کر اللہ سے اپنی ضرورت کا سوال کرے، اس لیے ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ خود اپنی ذات پر بھی حلال کمائی سے خرچ کریں اور دیگر امورِ خیر میں بھی حلال کمائی سے خرچ کریں نیز حرام کمائی سے بچیں اور حرام مال خرچ کرنے سے بچیں۔ جس طرح حرام رزق کی وجہ سے دعا رد کر دی جائے گی ایسے ہی حرام کمائی سے کیا جانے والا صدقہ و خیرات بھی رد کر دیا جائے گا اور یہ سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کھانے پینے کی بے احتیاطیوں سے بچائے، حرام خوری سے دور رکھے، صحت و تندرستی عطا فرمائے اور اپنا مطیع و فرماں بردار اور شکر گزار بندہ بنائے۔ آمین!

✿ ✿ ❁ ✿ ✿

خاتمۂ بحث

تمام قسم کی تعریف و توصیف، حمد و ثنا اور مدح و ستائش اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کی مدد و توفیق اور اس کے بے پایاں کرم و احسان سے کتاب و سنت کی روشن تعلیمات پر مشتمل چند باتیں آپ قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے لیے خالص بنائے اور شرفِ قبول بخشے۔ آمین!

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس کتاب کے اندر مسلم سماج و معاشرے میں پائے جانے والے ایسے بدترین لوگوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے، جن کو شریعت میں سب سے بُرا یا محض بدترین شخص کہا گیا ہے، ساتھ ہی اس بُری خصلت کو بھی قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کے حاملین کو سب سے بُرا اور بدترین شخص قرار دیا گیا ہے اور ان اوصافِ رذیلہ کی مذمت میں وارد نصوص کو بھی مختصر تشریح و وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور اس کے لیے آسان اسلوب اپنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے تاکہ معمولی پڑھے لکھے عام افراد بھی اس کتاب کا مطالعہ کر سکیں اور اس میں پیش کی گئی باتوں کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں، لہٰذا قارئینِ کرام سے بصد خلوص و احترام گزارش ہے کہ گذشتہ صفحات میں بیان کی گئی برائیوں سے خود بھی بچیں اور اگر اپنے متعارفین اور متعلقین میں کوئی ان اوصاف میں سے کسی وصف کا حامل ہے اور اس کے اندر اس طرح کی کوئی برائی پائی جاتی ہے تو اسے بھی شرعی نصوص کو دکھلا کر انتہائی حکمت و نرمی اور درد مندی سے سمجھائیں تاکہ وہ بھی بُری عادات و اطوار کو چھوڑ کر اللہ ارحم الراحمین کے حضور توبہ و استغفار کر سکے۔ ساتھ ہی اپنے آپ سے آج ہی عہد کریں کہ نہ خود ایسے بد خصلت اطوار کو اپنائیں گے اور نہ ایسے بدترین لوگوں کی صحبت و ہم نشینی اختیار کریں گے۔ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ اگر برے لوگوں کے ساتھ رہن سہن اور اٹھنا بیٹھنا کریں گے تو ان کے اندر پائی جانے والی بدترین بُرائیاں آہستہ آہستہ غیر محسوس انداز سے آپ کے اندر بھی سرایت کر جائیں گی اور نہ چاہتے ہوئے بھی آپ ان بدترین برائیوں کے عادی ہو جائیں گے۔

میں اللہ رب العزت کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں، اس کا شکر بجالاتا ہوں، اس کا احسان مند ہوں اور اس کے حضور بصمیم قلب دعا گو ہوں کہ وہ مجھ سمیت تمام مسلمان مرد و خواتین کو گذشتہ صفحات میں ذکر کردہ بُری

خصلتوں سے بچائے اور اس ضمن میں بیان کردہ شرعی نصوص ہمارے مسلم نوجوانوں اور دخترانِ ملتِ اسلامیہ کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں تاکہ وہ اس کی روشنی میں بد عقیدگی، دشمنانِ اسلام کی دسیسہ کاری، اخلاقی گراوٹ اور پست کرداری سے محفوظ و مامون رہ سکیں بالخصوص شرکیہ امور، باطل و خارجی افکار و نظریات، برادرانِ وطن غیر مسلموں کی عادات و اطوار، مغربی مکاروں کے مکر وفریب اور ان کے بلند بانگ دعوؤں سے اپنے آپ کو دور رکھ سکیں اور ان کے خونی پنجے سے خود کو آزاد رکھ سکیں۔

الٰہ العالمین! میری اس معمولی کوشش اور حقیر کاوش کو قبول فرمالے، اسے شرفِ قبولیت بخش کر اس کے نفع کو عام فرمادے، اسے لوگوں کو ان کی اخلاقی گراوٹ سے بچنے کا ذریعہ بنادے، اسے میرے لیے، میرے متعلقین و احباب، اساتذۂ کرام اور اس کی تیاری و اشاعت میں حصہ لینے والے تمام معاونین کے لیے ذریعۂ نجات اور توشۂ آخرت بنادے۔ آمین! **تقبل یا ذا الجلال والإکرام! وصلی اللہ علیٰ نبیه الکریم والحمد للہ رب العالمین.**

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعاؤں کا طالب

جمشید عالم عبد السلام سلفیؔ

۱۸/ ۰۳/ ۲۰۲۲ء

ISLAM KI NAZAR ME
BURE LOOG
BY: JAMSHED ALAM S/O ABDUSSALAM SALAFI

مؤلف کی دیگر کاوشیں
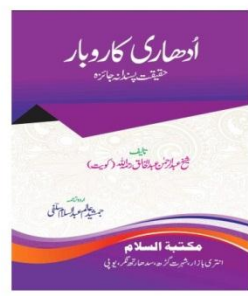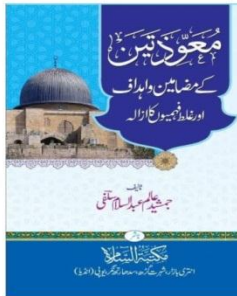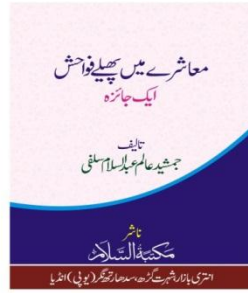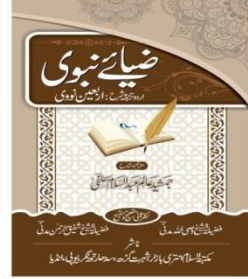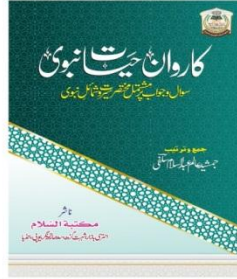
Published By:
MAKTABA AL-SALAM
Antari Bazar, Shohratgarh, Siddharth Nagar, U.P., INDIA-272205
+91-9628953010 / +91-6393225101
maktabsalam2@gmail.com/ mahboobsalafi@gmail.com